

علاوہ

دور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْقَاتِلِ سَيْبِ اللَّهِ
الْقَاتِلِ سَيْبِ اللَّهِ
الْقَاتِلِ سَيْبِ اللَّهِ

باطل شکن

جس میں

استداساع موتی، بنار علی القیور اور دیگر ان مسائل پر
دلیل بحث کی گئی ہے جن پر نجد یون کی تکفیر مسلمین کا انحصار اور
مشرک سازی کا دار و مدار ہے

مترجم

(مولانا قاری) شاہ محمد جعفر صاحب پھلواری ندوی

بن

تاج العارفین احمد رضا صاحب قاری مولانا الحاج قاری محمد علی صاحب قاری
حکیم لکھنوی احمد گیاروی
باہتمام محمد اسماعیل صدیقی

مطبوعہ
پیش کشی
پیش کشی
پیش کشی

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً ومصلیاً وسلم

اما بعد۔ رسولِ نیک حیات و ممات کے ساتھ متصف ہے مگر اسکی
زندگانی اور وفات عام لوگوں کی حیات و موت کی سی نہیں ہوتی، رسول کو
فنائی زندگی کے ساتھ اعلیٰ روحانی زندگی بھی ہوتی ہے جسکے انعکاس سے
وہ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے جسے خدا نے یزید کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے
اور رسول روحانی جذبات کو اپنے حکیمانہ روحانی خیال سے قوم کے خیال میں
آتا رہتا ہے جسکو خدا نے یعلیٰ صمد الکتاب والحکمت سے تعبیر فرمایا ہے۔
الغرض رسول فقط زندہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک تازہ زندگانی اور روحانی
حیات بھی بنتا ہے وہ ایک ایسی باکہ اور مہذب قوم آراستہ کرتا ہے کہ جسکی
شان ہے لا خوف علیہم ولا هم یخزنون۔ اور اس قوم کی روحانی
زندگانی ایسی مضبوط ہوتی ہے کہ اگر کوئی ظالم ان کو ظلم کرے، کوئی شقی انکو
ہلاک و برباد کرے راہِ خدا میں انکو قتل کر دیا جائے تو انکو اپنے اس جسم و
جان کی ہمدردی میں ہوتی کیونکہ انکی جان کوئی معمولی جان نہیں وہ اس قتل
کئے جانے پر دور نہیں بڑھتے بلکہ وہ عالم شہادت میں جن اسی لئے انکو
شہید کہا جاتا ہے اور عام مردوں کی طرح انکو سمجھنے سے سخت مانعت
کی گئی اور جس کم سنوا بایا کہ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل

احیاء و لکن لا تشعرون، جب رسول ایسی زندہ جاوید قوم پیدا کرتا ہے کہ
جسکو مردہ نہیں کہا جاسکتا، پھر اس برگزیدہ رسول کو خبر رہا
اُن دشیدوں سے بڑھ کر ہے، عام مردوں کی طرح کہا اور سمجھا جائے اور اسی
موت کو عام لوگوں کی سی موت شمار کیا جائے۔ یہ اون بے شعور لوگوں کا کام
ہے جسکو خدا نے لا تشعرون فرمایا ہے۔

اہل فہم و فراست اور اہل دانش و بینش ہرگز ایسا نہیں سمجھ سکتے نہ کہہ سکتے
ہیں۔ انک صیت و انغم میتوں سے وہ عام موت مراد ہے جسے ایک جگہ
کل نفس ذائقۃ الموت کے قیور کیا ہے۔ اور اس سے کوئی مسلمان
انکار نہیں کرتا، لیکن جس طرح رسول کی زندگانی معمولی اور عام لوگوں کی سی نکلی
نہیں، اسی طرح اسکی موت بھی عام لوگوں کی سی موت نہیں ہو سکتی۔“

(۲) رسول ابدی و دائمی طور سے ہماری اور خداوند تعالیٰ کے درمیان
وسیلہ ہوتا ہے اسلئے وہ عام بشر کی طرح نہیں بلکہ اسکو ایک طاقت عطا کی گئی
ہے جسکو فوق طاقت بشری کہتے ہیں اور وہی اسکا معجزہ ہے۔ وہ آسمان کی
سیر کرتا ہے طبقات زمین کا مشاہدہ کرتا ہے کبھی عالم لاہوت میں مستغرق اور کبھی
عالم ملکوت میں جلوہ فگن اور کبھی اپنے گھر ہی کو ایسا عالم ملکوت بنا دیتا ہے کہ
وہاں بجز غنیمت و نقد میں لاک کے جس و آ نام کی ہوا بھی لگنے نہیں
پاتی۔ انا ہرید اللہ لیدھب عنکم الرجیل اهل البیت و یطہرکم
تطہیراً۔ اور اپنے رفقاء انصار پر اپنی شرح صدر اپنی خداداد مہمت مودت
اور خلق عظیم و رحمت عظیم و خلوص تقبلی کا جب وہ انعکاس ڈالتا ہے تو
بہت جلد ایک ایسی قوم طیار ہو جاتی ہے کہ اشتداء علی الکفار و رجوع
بینہم تو ہم دیکھا سجد ایتھون فضلا من اللہ و رضوانا میا ہم

خود جو محمد من افرا السجود کی تجلی نظر آنے لگتی ہے۔

وہ رسول رحمة للعالمین کے لقب سے مخاطب تھا اور بالموصلین سے وقت
 مرحوم۔ اسکی خاص شان تھی۔ اسلئے ان باب سے زیادہ ہمیں مہربان اور
 ہمارے دکھ درد کا شریک اور ہمارا مونس و غمگسار تھا۔ ہمیں جب بھوک لگتی
 اسکے آگے روتے وہ تھوڑی سی روٹیوں سے ہم سمجھوں کو آسودہ کر دیتا۔ پیاس
 کی جب شکایت کرتے تو سنان میدان میں چشمہ پیدا کر کے ہلکے سیراب کرتا۔
 بخار آتا تو وہ دوا بتاتا۔ آنکھیں جالی رہتیں اور اسلئے آگے روتے تو وہ اپنی
 تدبیر سے آنکھیں بخشتا۔ ہاتھ پیر پر جب کبھی صدمہ پہنچتا تو وہ اپنے دست
 کرم کے مس سے جھکا کر دیتا۔

الغرض کبھی اسے محروم نہ کیا جو مانگا سو پایا۔

پہلے مقدمہ سے جب یہ ثابت ہے کہ ظاہری موت کے بعد کی
 حیات ایک حیوة اعلیٰ من حیاتہ الدنیا ہے۔ تو پھر کیوں ہم اپنی مصیبتوں کو
 اسلئے آگے نہ کہیں۔ اور دعا کی مدد اس سے کیوں نہ لیں۔ کیا میرا تعلق
 منقطع ہو گیا کیا اب میرا وہ وسیلہ نہیں رہا۔ کیا قیامت آنی والی نہیں اور کیا
 میری وہ شفاعت دوستگیری ذکر ہے گا۔ فلا متأسو من روح اللہ۔

(۳) نجدی۔ ہماری اس نیاز مندی کو اس سرکار سے چھوڑنا چاہتے ہیں اور
 جب ہم توسل و استفادہ واستمداد کرتے ہیں تو ہمارے بدعتی کافر و شرک مہدور الدنم
 بتاتے ہیں جیسا کہ کتاب التوحید و توضیح ہدیۃ السنیہ سے واضح ہو۔ توضیح ص ۱۳۳

اسی جرم میں ہمارے براور ان اسلام کا طائف میں قتل عام کیا گیا۔
 انہ ہمارے بزرگوں کی یادگار مساجد اور قبے اور مزارات متبرکہ و حادثے گئے۔
 اور انکولات و عزری و مناة کہا گیا۔ دیکھو کتاب التوحید و توضیح ص ۱۳۴

اب ایسے داسیہ حاطمہ میں ہم آتے اپنے آقائے مہربان رسولِ ذی شان
 اکو یاد کرتے ہیں جسکے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلے فتنہ نجد میں ہماری فریادیں
 کی اور ان ظالموں سے نجات دی۔

یا اکرم الخلق مالی من الوزبہ

سَوَالُکَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

(۴) ہندوستان کے دہلیہ والہ المحدث اب بالاعلان عقاید نجدیہ کی تصحیح
 اور ان کے مظالم کی توجیہ کرتے ہیں۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک مسئلہ متنازع
 فیہا میں میں اپنے عقاید حقہ کی دلائل و براہین پیش کروں اور برادران المحدث
 اگلے محدثین کی روش و تحقیق بتاؤں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک
 (۵) نجدیوں کو سب بڑا مغالطہ مسئلہ استمداد کی ناہمی سے ہوا ہے۔ اسلئے اسی
 مسئلہ پر سب پہلے روشنی ڈالی جانی ہے۔ اور ہندوستان کے المحدث چونکہ
 سلع موتی کے بھی منکر ہیں اسلئے غصہ و بحث اس سے بھی لگی ہوئی ہے۔

واللہ نعم المولیٰ ونعم النصیر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
 واضح ہو کہ جس طرح روح کی حیات اور بقا کا مسئلہ فلسفہ اسلام میں
 ثابت اور متحقق ہے اسی طرح یہ بھی ثابت اور مسلم ہو کہ روح کا ادراک شعور
 قید جسم سے آزاد ہو جانے کے بعد بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

سید روحین شاہِ آخریٰ میں بھی بہت کچھ ترقیات کرتی رہتی ہیں
 اور نفوس قدسیہ جس طرح اس عالم میں مصدر فیوض و برکات ہوتے ہیں۔ سطح
 اس عالم میں بھی ان کے روحانی فیضان و برکات و تصرفات کا سلسلہ بوجہ قوت
 و طاقت تصرف اور زیادہ ہو جانے کے بدرجہ اتم جاری رہتا ہے۔ یہ
 مسئلہ ہے جسکو حکماء اسلام اور محققین متکلمین و محدثین و اکابر دین
 بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی۔ امام رازمی۔ علامہ سعد الدین تقی تازانی۔
 علامہ سید شریف جرجانی۔ امام ہمام قاضی بیضاوی۔ علامہ عبدی حجر العلوم
 و حجۃ الہند شاہ ولی اللہ محدث و قاضی ثناء اللہ فقیر محدث و غیر ہم نے اپنی
 تحریروں میں اس مسئلہ کو دلائل و براہین نقلیہ و عقلیہ سے ثابت کیا ہے اور
 روح کے عجائبات و تصرفات کا جو عالم برزخ میں اسے حاصل ہوتے ہیں

صاف صاف اقرار کیا ہے۔

تفسیر بیضاوی جلد اول مطبوعہ ہند ص ۸۵ کی عبارت مندرجہ ذیل قابل غور
 ”وفیہا دلالة علی ان الارواح جواهر قائمۃ بانفسہا مغائرۃ
 لما یحس من البدن۔ یمقی بعد الموت دسراکۃ وعلیہ جمہ
 الصحابة والتابعین وبہ نطق الایات والسنن“

احیات شہد اور الی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ روح ایک جوہر قائم بنفسہ
 جو جس بدنی (اور اسکے حالات) کے مناسبت ہو۔ وہ موت کے بعد بھی باقی
 رہتی بلکہ وہ کہ ہو جاتی ہو اور اسی مسلک پر جمہور صحابہ و تابعین ہیں اور
 آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ اسی پر ناطق ہیں۔

اس زمانہ کے مولوی قاصر النظر، کتب درسیہ کے بہتیرے حاشیہ
 بھی بے خبر ہوتے ہیں پھر ادب کیا امید کی جائے کہ یہ روحی مسئلہ ان کی سمجھ
 میں آجائے مولانا عبد العلی بحر العلوم نے میرزا ہد رسالہ کے حاشیہ میں بیسٹ
 تمام اس مسئلہ کو لکھا ہے کاش یہ لوگ اسی کو غور و فکر سے دیکھتے۔

اور امام بیضاوی کا یہ فرمانا کہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث سے مبرا نہ
 ملے ہو اور صحابہ و تابعین کا یہی مسلک تھا انکے لئے تو نہایت تعجب خیز
 امر معلوم ہوتا ہو گا۔ اور متحیر ہونگے کہ آیات و سنن میں کہاں اس کا ذکر ہو
 اگرچہ میں ان کو یاد دلاتا ہوں کہ عذاب قبر جو اہل سنت کے متفقہ اعتقادات

- اور سوال نکیرین و تنعیم و تعذیب اہل قبور جس کی حدیثیں صحاح سنن
متناہج و ذوالحج - اور قریب قریب متواترات سے ہین ان مسائل کا
دار و مدار ارواح کے علم و ادراک و شعور ہی کے ثبوت پر ہے۔ ذرا عقل شعور
کا کام لیکر اس پر غور کرنا چاہیئے۔

اور نیئے ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ مقبرے میں جائیں اور اہل قبور
تخاطب کے ساتھ یوں سلام و کلام کریں "السلام علیکم یا اهل القبور
السلام علیکم دار قوم مومنین - وانا ان شاء اللہ بکم
لاحقون - انتم لنا فطر و نحن لکم تبع - اسئل اللہ لنا
ولکم العافیة"

رواہ الامام مسلم فی صحیحہ و الترمذی - والنسائی وابن ماجہ و ابو داؤد وغیرہم
بالفاظ متقاربتہ حصن حصین ص ۱۵۴

کیا اگر اہل قبور کو علم و ادراک و شعور نہیں ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وصحابہ وسلم نے ہمیں درود و یارسے مخاطب کرنے اور مٹی کے
دھیرے سے سلام و کلام کرنے اور فضول و لغو کو اس کرنے کی تعلیم فرمائی
ہے ؟ حاشا و کلاً۔

علامہ ابن قیم کتاب الروح مطبوعہ دائرۃ المعارف ص ۵ میں فرماتے
ہیں "آثار متواترہ سے ثابت ہو اور سلف کا اس پر اجماع ہو کہ مردے

زائرین کو پہچانتے اور ان کے آنے سے خوش ہوتے ہیں۔

اور امام سیوطیؒ لکھتے ہیں ”الاحادیث والاثار تدل علی انّ الزائر متی جاء علم به المزور وسمع كلامه والنسب به وود سلامه علیہ“
(شرح الصدور ص ۱۵۱)

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہم سے متعدد روایات ابن ابی لریا کی کتاب القبور اور امام بیہقیؒ کی کتاب شعب الایمان وغیرہ میں مروی ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے کسی مردے بھائی کی قبر پر جاتا ہو تو وہ اس کو پہچانتا ہو۔ اس کے آنے سے خوش ہوتا ہو۔ اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہو۔
عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من رجل یزور قبو لخیہ ویمجلس عنده الا استأنس به ورحّ علیہ حتی یقوّم“ (حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی قبر کی زیارت کو جاتا ہو اور اس کی قبر کے پاس بیٹھتا ہو تو جب تک وہ وہاں بیٹھا رہتا ہو مردے کو اس سے انس و انبساط محسوس رہتا ہے) (دیکھو کتاب الروح ص ۵ و شرح الصدور للسیوطی ص ۱۵۱)

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے موت کے وقت

یہ وصیت کی کہ جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر کے ارد گرد تھوڑی دیر تک
 سب کے سب کھڑے رہنا تاکہ میں تم سے استیناس حاصل کروں۔ اُن کے
 الفاظ صحیح مسلم کی روایت میں یہ ہیں کہ ”تم اقیعوا حول قبری
 قدر ما تخرج جرد و لا یقسم لھا حتی ستا شئ بکم۔ ابن قیم اس
 حدیث کو صحیح مسلم سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ میت کو
 اسکی قبر پر لوگوں کے حاضر ہونے سے انس و انبساط ہوتا ہے کیا اللہ روح مطہرہ
 پس اموات کے روحانی قوت اور اک و شعور کو دیکھو کہ زندگی میں اگر
 کسی کو ایک ایسی کوٹھری میں بند کر دیا جائے جس کے تمام منافذ ہوا بند
 و مسدود ہوں تو غیر ممکن ہو کہ باہر کی آواز کا اس کو درک یا باہر کسی کے
 آنے جانے کی خبر ہو سکے۔ مگر روح جب جسم سے نکل جاتی اور قبر کی کوٹھی
 میں جا پڑتی ہو تو سلام کی آواز کا۔ زائرین کی آمد و رفت کا حتی کہ جویون
 کی چاپ اور چلنے کی آواز تک کا اور سکو بخوبی درک ہوتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم
 کی روایت ہے کہ اِنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفَقَ نَعَالِهِمْ“

علیٰ ہذا القیاس کوئی شخص تہ خانے کے اندر ہو تو اوپر سے نہاد سے
 کوئی چھو سکتا ہے نہ ایذا پہونچا سکتا ہے۔ مگر یہی روح جب قبر کی منزل میں
 پہونتی ہے تو قبر کے اوپر کسی کے ٹیک لگانے۔ تکیہ کرنے۔ اور بیٹھنے سے اسے
 ایذا ہوتی ہے۔ اسی لئے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایسا کرنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا کہ لا تُؤذ صاحب هذا القبر
(رواہ الامام احمد فی مسندہ)۔

حتیٰ کہ مقبرہ میں جوتیوں سمیت چلنے پھرنے سے بھی منع فرمایا۔
(سنن ابی داؤد جلد ۲ باب المشی بین القبور فی العمل ص ۱۰۴ مطبوعہ ہند)
شرح حدیث فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قبروں کے
ساتھ کوئی فعل یا جس سے استخفاف و اہانتہ کا پہلو نکلے نہ کرنا چاہیے کیونکہ
مرد و کمواس سے الم ہوتا ہے۔ بلکہ قبور کا بلحاظ مراتب ہل قبور۔ ادب و احترام
لازم ہے۔

مسند امام احمد کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں
اپنے حجرہ میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے مدفون ہونے کے بعد تک اپنی بے تکلفانہ حالت میں چلی جاتی تھی
اور سمجھتی تھی کہ یہ تو ہمارے حضور ہی ہیں اور یہ پدر بزرگوار ہیں (جو محرم ہیں)
مگر جب حضرت امیر المومنین عمرؓ اس حجرہ میں دفن ہوئے تو او سدن سے
میں احتیاط کرنے لگی اور ہمیشہ چادر اوڑھ کر پردہ دار حجرہ میں داخل ہونے لگی
حیاء میں عمرؓ یعنی میرا یہ حجاب بمقتضا اس حیا کے ہے جو مجھے عمرؓ سے بلحاظ
ار کے غیر محرم ہونے کے ہونا چاہیے (دیکھو مسند احمد مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۰۲)
حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ اور مشکوٰۃ میں بھی

یہ حدیث نقل کی گئی ہو اور اسکے حاشیہ پر لمعات کی عبارت درج ہی جس کا مطلب یہ ہو کہ اس حدیث میں واضح دلیل ہو اس امر کی کہ زائر کو صاحب قبہ کا وہ احترام کہ جس مرتبہ کا وہ ہو واجب ہو۔ خصوصاً صاحبین کے قبور کا ادب احترام جس قدر ہو سکے۔ لازم ہے (مشکوٰۃ مطبوعہ مطبع نظامی ص ۱۳۶) اس روایت سے یہ بھی خوب صرح ہو گیا کہ حضرت ام المومنین کی طرف جو عدم سلع موتی کے قول کی نسبت کی جاتی ہے وہ کمان تک۔ اور کن معنوں میں صحیح ہو۔ چنانچہ اس مقام پر ایک در روایت بھی پیش کرتا ہوں جسے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مسلک پر اور بھی روشنی پڑتی ہو۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے مکہ معظمہ کے قریب ایک گاؤں میں انتقال کیا اور مکہ مدفون ہوئے جب حضرت صدیقہؓ مکہ معظمہ آئیں۔ تو بھائی کی قبر پر تشریف لائیں اور (سلام ماؤثر کے بعد) انکو مخاطب کر کے دو شعر پڑھے۔ پھر فرمایا۔ بھائی! اگر میں تمہارے پاس۔ عدالت کے وقت موجود ہوتی تو تم دہین مدفون ہوتے جہاں تم نے انتقال کیا تھا۔ اور اگر میں اس وقت تمہارے پاس حاضر ہوتی۔ تو اس وقت خاص کر تمہاری زیارت کو آنے کی بہین ضرورت نہ تھی؟ (دیکھو جامع ترمذی کتاب الجنائز جلد اول ص ۱۳۱)۔

غور کرو۔ اگر صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سلع اموات کی برہنہ ہو تین

اور مسافہ علم و ادراک و شعور موتی کی قائل تھیں تو حضرت عبدالرحمن کی
قبر پر جا کر اس طرح مخاطب و مثل زندوں سے کلام کرنے کے اس قدر
کلام - کیونکہ فرامین -

بہر حال - پھر اصل مطلب پر آتا ہوں کہ ارواح کو بعد موت اعلیٰ درجہ کا
ادراک و شعور حاصل ہوتا ہے اور طرح طرح کے تصرفات بھی اُن سے سرزد ہوتے
ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص (صحابی) نے ناسنگی
سے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبر کے اندر سے کسی
سورہ ملک تلاوت کرنے کی آواز سنی۔ پھر حضور اوزصلی اللہ علیہ وآلہ و
صحابہ وسلم کو اس واقعہ کی جا کر خبر دی۔ حضورؐ نے سورہ ملک کی تعریف میں
فرمایا کہ وہ عذاب قبر سے بچاتی ہے (رواہ الترمذی و حسنہ و الحاکم و البیہقی
وغیرہم۔ کتاب الروح لا یلین فیہ ص ۱۲۹ و شرح الصدور للسیوطی ص ۱۲۷)

الغرض روح کا معاملہ کچھ عجیب حیرت انگیز ہے اور اسکی طاقت و
قوت کچھ عجیب طاقت و قوت ہے خصوصاً ارواح مقدسہ ملائعہ اعلیٰ میں جا کر
ملکوتی صفات سے متصف ہو جاتے ہیں اور ملکوتی آثار ان میں پائے
جانے لگتے ہیں۔ اُن کے علم و درک و شعور و مجرب و تصرف کے لئے عالم
کوئی حجاب و حائل مانع باقی نہیں رہتا قدری و جمیع کا مشاہد
(مکالمہ الملائقہ فی المقام)

وہ اعلیٰ علیین میں رہتی ہیں اور پھر قبر سے بھی اونکا ہر وقت پورا تعلق رہتا ہی اور پھر جہان چاہتے ہیں سیر بھی کرتے ہیں اور مختلف جگہ مختلف احوال میں پائے جاتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے لیلۃ الاسرار میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز میں مشغول پایا (رواہ مسلم فی الصبح) پھر مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی روحوں کے ساتھ کلیم اللہ علیہ السلام کی روح پاک بھی ضرور موجود تھی۔

اور پھر آسمان ششم پر بھی اُن سے ملاقات ہوئی۔ (کمافی الصلاح) حالانکہ واقعہ معراج نبویؐ کو یا چشم زدن کا معاملہ تھا۔

حافظ ابن حجر اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں "ارواح المومنین فی علیین وادواح الکفار فی السجین وکلّ روح بجسدها اتصال معنویؑ رالی قولہ اومع ذالک فهو ما ذون لہا فی التصوف" (شرح الصدور ص ۱۶۴)۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے حافظ ابن حجر کی تائید کرتے ہوئے ابن عساکر وغیرہ کی متعدد روایتیں پیش کی ہیں کہ ان حضور علیہ الوت الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "میں نے جعفرؑ کو دیکھا کہ جماعت ملائکہ کے ساتھ سیر کنان میرے پاس سے گزرے اور مجھے

سلام کیا۔

حافظ ابن حجر نے بھی اصحابہ (مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۹) میں
حضرت جعفر طیار زوالجناحین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں یہ
دو تین نقل کی ہیں۔

اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم نے
جو یہ ارشاد فرمایا کہ جب تک کسی صحرا دیرانہ میں کوئی مشکل آ پڑے
اور کوئی یار و مددگار نظر نہ آتا ہو تو اس وقت تین مرتبہ کہو "یا
عباد اللہ اَعِیْزُوْنِیْ" (اے خدا کے بندو۔ میری مدد کرو) اور وہ
الطبرانی (علمائے ثقات محدثین نے اس کو حدیث حسن کہا ہے۔
اور اس کا بارہا تجربہ کیا گیا ہے (حصن حصین ص ۱۲)۔

اس میں عباد اللہ کا لفظ عام ہے رجال الغیب و ملائکہ
کی طرح ارواح طیبہ اولیاء اللہ بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

کیونکہ جب ارواح سیارہ و قمر اکہ و مقررہ ہیں تو بخوبی ممکن ہے
کہ حسب منشاء الہی کسی روح مقدس کی اُدھر توجہ ہو اور مستغیث کا
کام مکمل جائے۔

صحاب مشاہدہ۔ نفوس قدسیہ اولیاء و انبیاء سے ایسے تصرّفات
و برکات کا برابر تجربہ و مشاہدہ کرتے آئے ہیں۔ علامہ شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح علاقائت جسمانیہ سے
مجرد ہونے پر اپنے مزاج اصلی کی طرف راجع ہو کر ملائکہ سے ملحق ہوتی
اور صفات ملکوتیہ سے متصف ہو جاتی ہے۔ اور ان کے کاموں میں
شریک ہوتی ہے۔ اور اکثر ایسی روحیں اعلا کلمۃ اللہ و نصر حزب اللہ
میں مصروف پائی جاتی ہیں (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ ص ۳۳)۔ تفسیر
منظری جلد اول ص ۱۔

اور کچھ ایسا ہی علامہ ابن قیم کتاب الروح (ص ۱۶۶) میں فرماتے
ہیں کہ "وقد تواتر مع الرؤیا من اصناف بنی آدم علی فعل الاصلح
بعد موتھا ما لا تقد علی مثله حال تصالھا بالبدن الخ"۔
جب روح کے اور اک شعور و علم و سیر و تصرف کا مسئلہ ثابت ہو چکا
تو اب اسی سے استمداد کے مسئلہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔

انبیاء و اولیاء جس طرح اس دنیاوی زندگی میں واسطہ وسیلہ
بین الخالق و المخلوق اور مظہر عن الہی ہوتے ہیں کہ ان کے فیض صحبت
و برکات و جود و ہمت و تصرف سے۔ اور ان کے توسل و تشفع سے مخلوق
اپنی دینی و دنیوی مقاصد میں کامیاب ہوتی ہے۔ اسی طرح اس ظاہری
زندگی کے بعد بھی عالم برزخ و روحانیات میں وہ مظاہر عن الہی ہوتے
ہیں کہ ان کے روحانی فیوض و برکات اور ان کے توسل و تشفع سے

حل مشکلات و قضاے حاجات ہوتی رہتی ہے قاضی الحاجات و حلّ
مشکلات ہر حال میں صرف وہی خداے واحد ہر جس کی ہستی طاقت و
قدرت کے سوا کسی کی کوئی ہستی اور قدرت و طاقت نہیں ہے
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

پس یہ اولیاء اللہ و سیلہ محض و واسطہ صرف ہوتے ہیں حسین
انکی حالت حیات و حالت موت و دونوں برابر ہیں۔ اسی لئے حجۃ الاسلام
امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے استمداد اسکی زندگی
میں ہو سکتا ہے اُس سے اُس کے مرنے کے بعد بھی استمداد درست ہوگا۔

طالبان حق اور سالکان طریقت کا تو اصل مشرب و مسلک
استمداد میں یہ ہو کہ وہ اپنے پیروں اور بزرگوں کے آگے نہ تو اس
ضیاعی زندگی میں اپنی دنیاوی ضروریات و حاجات بے جاتے
ہیں۔ اور نہ اگلے مرنے کے بعد اُنسے دنیوی مرادیں مانگتے ہیں۔ بلکہ ^{طرح}
وہ انکی حیات ظاہری میں اپنے سیر سلوک میں انکو مؤید کار سمجھتے ہیں اور
ان سے روحانی استفاضہ کرتے ہیں۔ اسی طرح اُن کے انتقال
مکانی کے بعد بھی ان سے روحانی استفاضہ و استدانہ کرتے اور کشود
و فتح باب وصول الی اللہ کے لیے اپنی روح کو انکی روح کی طرف
متوجہ کر کے فیض و مدد لیتے۔ اور ان کے وسیلہ سے منزل مقصود تک

ہو نیچے ہین۔

باقی رہے عوام مسلمانان ان کا طرز استغاثہ راستہ اداہل قبور سے
بے شک حد فراط تک پہنچ جاتا ہے اور بطریق حسن نہیں ہوتا۔ اور وہ
ضرورتاً قابل اصلاح ہے۔ مگر اسکی وجہ سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا
اور جہاننا۔ دریافت حال سے پتہ لگتا ہے کوئی عامی مسلمان بھی بزرگوں
اور پیروں کو مستقل حاجت روا یا مشکل کشا اور مستعان حقیقی نہیں سمجھتا۔

(معاذ اللہ من ذلک)۔ بلکہ انکو واسطہ و وسیلہ و سبب و ذریعہ ہی سمجھتا ہے
اور نفوذ باشرعہ انکو مستقل سمجھے۔ یا وسیلہ مان کر وسیلہ ہونے کی حیثیت
سے بڑھ کر انکی پرستش و عبادت کرنے لگے (جیسا کہ مشرکین اور کفار کا
حال ہے)۔ تو وہ بیشک۔ القطع کا فوشرک ہے۔

مسلمانوں کا تو اصلی اور سچا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نہ زندہ نہ کسی امر میں
مستقل سمجھتے ہین اور نہ مردوں کو یہ خوب یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص دنیا میں
کسی دوا کو نافع یا ضار حقیقی یا کسی طبیب ڈاکٹر کو شافی اصلی کسی بادشاہ
یا امیر یا اپنے اقا کو رازق مستقل یا کسی زندہ ولی بزرگ کو قاضی الحاجات
بالذات، یا اپنے کسی معاون و مددگار کو حقیقی معاون و مددگار سمجھے تو
ایسے اعتقاد والا انسان بھی دیباہی قطعی لمحہ و مشرک ہے جس طرح کسی مردہ کے
ساتھ مستقل حاجت روا ہونے کا اعتقاد رکھنے والا مشرک ہے۔

اور جو استقلال کا اعتقاد کسی کے متعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر ایک فعل اور
 ہر ایک طاقت و قدرت کی نسبت جو غیر خدا کی طرف ہو۔ اسکو نسبت مجازی
 سمجھتا ہے۔ اور فاعل حقیقی کسی فعل کا خدا کے سوا کسی ذات ایسی شے کو
 نہیں سمجھتا۔ اطباء کو ذریعہ صحت و شفا۔ اور یہ کو اسباب نفع و ضرر۔ امراء
 و سلاطین کو ذریعہ رزق۔ نوکری و پیشہ و غیرہ کو واسطہ رزری۔ اور انبیاء
 و اولیاء کو اس زندگی میں۔ با اوس عالم میں حیا و متینا محض وسیلہ و واسطہ
 حل مشکلات و قضاے حاجات سمجھتا ہے تو ایسے اعتقاد والا آدمی سچا اور
 سچا مسلمان ہو اور وہ حکم خداوندی "وَاتَّبِعُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ" پر عمل کرتا
 ہے۔ کیونکہ یہ توسل مستحبات و مندوبات شرعیہ سے ہی چنانچہ علامہ امام
 حافظ شمس الدین جزری محدث اپنی مشہور و مقدس کتاب "حصن حصین"
 میں آداب الدعاء کے تحت میں لکھتے ہیں وان یوسل الی اللہ تعالیٰ
 بانبیائہ (خ۔ ہ۔ ص۔)۔ والصالحین من عبادہ (خ۔)
 پھر علامہ مولف اپنی شرح منقح حصن حصین میں اس مقام پر لکھتے ہیں
 "هو من المندوبات" اور دلائل جواز و ندب کی حدیثوں کو ذکر
 کرتے ہوئے ضریح البصر والی حدیث ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے
 "ولحدیث عثمان بن حنیف فی شان الاعمال رواہ المحاکم فی
 مستدرکہ للصحیح وقال صحیح علی شرط الثیخین والترمذی

وقال حديث حسن صحيح غريب رويناه في الحصن (حضره)
الشمين للملا على القاري - بر حاشية حصن حصين ص ۱۸ -

امام جزیری نے جس حدیث سے استدلال کیا ہو اور جس کی
نسبت فرماتے ہیں کہ میں نے حصن حصین میں بھی اسکی روایت کی ہے یہ
وہی مشہور و معروف حدیث ہو جس سے دہا بیت و نجدیت کے گلے پر
چھری بھر جاتی ہے۔ اور توسل و استغاثہ و تشفع و استمداد کا جواز و ثبوت
خاص تعلیم نبوی سے نکل آتا ہے۔ وہ حدیث یوں ہے کہ ایک اعلیٰ آن
حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا
اور عرض کی کہ میری آنکھوں کی روشنی کیلئے دعا فرمائی جائے حضور نے
اسے یہ دعا پڑھنے کی تعلیم فرمائی کہ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ
بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي
فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتَقْضِيَ لِي اللَّهُمَّ فَتَقِّعْهُ فِي رَحْنِ حَصِينِ
رواہ الترمذی و صححہ۔ والنسائی وابن ماجہ والمحاکم فی
المستدرک و صححہ علی شرط الشيخین۔ ورواہ البیہقی فی الدلائل
وفی کتاب الدعوات باسناد صحیح۔ تفہار الاسقام للامام السبکی ص ۱۲۳ -
چنانچہ اس شخص نے حسب تعلیم نبوی انھیں الفاظ سے دعا کی
اور انھیں اسکی روشن ہوئیں صحابہ اس دعا کی تعلیم بعد وفات

حضرت رسولیٰ اعلیٰ اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کے بھی حاجت مندوں کرتے تھے اور لوگوں کا حل مشکل اس کے ذریعہ سے ہوا کیا۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے زمانہ خلافت حضرت

عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ میں ایک شخص کو حضرت خلیفہ سوم سے

ایک حاجت تھی اور وہ متوجہ نہ ہوتے تھے یہی دعا بتلائی۔ اور اس کے

پڑھنے سے وہ کامیاب ہوا۔ اس واقعہ کو طبرانی نے بسند معتبر کی طریق

سے روایت کیا ہے زرواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر فی ترجمہ عثمان بن

حنیف و ذالک فی الجزء الخسین۔ ورواہ البیہقی باسناد

من طریقین "شفاء السقام للسبکی مطبوعہ حیدرآباد ۱۲۵۰ھ۔

اور معجم صغیر میں بھی روایت کر کے خود امام طبرانی نے اس کو حدیث

صحیح فرمایا ہے (دیکھو معجم صغیر مطبوعہ مصر ص ۱۰۱)۔

اسی لئے محدثین اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے باب

یون تام کرتے ہیں "باب من کان له حاجة الى الله تعالى

اولی احد من خلقه"

صاحب حصن حصین نے بھی یون تام فرمایا ہے "ومن

کان له ضرورة فلیتوضاء فیحسن وضوءه ثم یصلی رکعتین

ثم یدعو اللہم الی اسئلتک الخ"

ملا علی قاری شرح فرماتے ہیں قولہ ضرورۃً اِی حَاجَةً مُلْجَئَةً
الی اللہ اوالی احدٍ من خلقہ۔

انصاف شرط ہے پھر اس حدیث کے بعد اب جواز تو تسل و استمداد
میں کون سا شبہ باقی رہ جاتا ہی نہیں معلوم اس زمانہ کے مدعیان علم
حدیث کس عمامے بصر و بصیرت کے ساتھ کتب حدیث پڑھتے ہیں کہ امر
حق اور نیک نظر نہیں آتا۔ ورنہ اگلے محدثین تمام تر تو تسل و استمداد کے
قائل و فاعل تھے اور عزالات شریفہ انبیاء و اولیاء کو محل اجابت دعا
بتلاتے اور زیارت قبور صالحین کو باعث حصول فیوض و برکات و محبوب
قضاے حاجات سمجھتے تھے

آئم شمس الدین جزری مقامات اجابت دعا کو ذکر کرتے ہوئے
فرماتے ہیں "قلت وان لم یجیب الدعاء عند النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ففی ای موضع یستجاب" (حصن حصین ص ۲۲)۔

اخذہ حصن حصین مطبوعہ مصر ص ۸۵) فضل اماکن اجابت میں اور
باحث سے لکھتے ہیں وعند قبور الانبیاء علیہم السلام و
رَبِّیَّ اسْتِجَابَةُ الدَّعَاءِ عند قبور الصالحین بشرط
معرفة یعنی انبیاء علیہم السلام کے قبروں پر دعا قبول ہوتی ہے۔
صالحین کی قبروں کے نزدیک دعا کا جو بشرط معروفہ ہو قبول ہوتا

راور حاجت براری دکا میابی (محررات سے ہو یعنی تجربے ثابت ہو۔
 امام جوزی کے اس قول کی تائید احادیث و آثار صحیحہ سے ملتی
 ہے۔ چنانچہ سنن دارمی کی حدیث ہے کہ اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہوئے
 لوگوں نے ام المومنین عائشہؓ سے آکر عرض کی۔ حضرت ام المومنینؓ نے
 فرمایا "تم لوگ قبر مطر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو۔ اور
 روضہ انور سے ایک ایسا سوراخ کر دو کہ اسکے اور آسمان کے مابین
 کوئی حجاب حائل نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اسی وقت بارش ہونے
 لگی۔ (دارمی باب ما کرم اللہ نبتہ بعد موتہ ۲۵)۔

اور استیعاب میں حافظ علامہ ابن عبد البر روایت کرتے ہیں کہ
 عہد بکت مہد فاروقی میں ایک دفعہ قحط پڑا تو ایک شخص نے قبر مبارک پر
 حاضر ہو کر استننا کیا کہ یا رسول اللہ امت کی خبر لیجئے۔ پھر خواب میں حضور
 پر نورؐ نے اویخین صاحب کو دفع قحط کی بشارت دی۔ (والقصۃ طویلہ
 استیعاب جلد ۲ ص ۲۲۸)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اصحابہ (جلد ۶ ص ۱۲۲ مطبوعہ مکتبۃ
 اس روایت کو لکھا ہے اور ابن ابی خنیسہ کی تخریج کا حوالہ دیا ہے اور
 شیخ نہانی دعویٰ الحق (مطبوعہ مصر ص ۱) میں فرماتے ہیں "رواہ
 البیہقی وابن ابی شیبہ باسناد صحیحہ"۔

المختصر قرون ثلثہ مشہود لھا بالخیرین تو سئل واستمداد کا بکثرت شجبت
ملتا ہی اور نہ صرف یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کی
فات پاک تک مخصوص تھا بلکہ صحابہ و اہل بیت و صالحین کے قبور سے
بھی قرون سابقہ میں تو سئل واستغاضہ واستغاثہ معمول بہ تھا۔

حافظ علامہ امام ابن عبد البر جو چوتھی صدی ہجری کے مقدم
الحفاظ و امام المحدثین ہیں حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے
ذکر میں تحریر فرماتے ہیں "وقد رآی ابویوب قبر سورھا معاویۃ بنی
الیوم معظمٌ یستقون بہ فیکفون" (استیاب جلد اول ص ۱۵۶)
اور ایسا ہی علامہ ابن الاثیر۔ اسد الغابہ میں لکھتے ہیں "وقبرہ بھا
یستقون بہ۔ (جلد ۲ ص ۹ مطبوعہ مصر)۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ جناب
فرماتے ہیں "قبر موسیٰ کاظمؑ تریاق مجرب لاجابة الدعاء
(اشعة اللمعات وغیرہ) یعنی حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی
بہترین شریف اجابت دعا کے لیے تریاق مجرب ہے۔

بعض ملاوٹوں کو اس پر بہت ہی تعجب ہوتا ہے کہ امام شافعی جیسے
جلیل القدر امام کی زبان سے ایسا جملہ کیوں نہ نکل سکتا ہو۔ مگر ادنیٰ کو معلوم
ہونا چاہیے کہ امام محدث تو سئل وتشفع عن اہل قبور کے ضرور قائل تھے۔

اور بزرگانِ دصالحین کے مزارات سے وہ خود استفاضہ فرمایا کرتے تھے۔
 چنانچہ حضرت قدوة المجتہدین مقدم الفقہاء والمحدثین امام الائمۃ
 فقیہ الامۃ امام ابو حنیفہ النعمان الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار
 سے حضرت امام شافعی کا تبرک و توسل کرنا بہ سند مستند و معتبر مروی ہے
 جیسا کہ صدر الائمۃ امام موفق بن احمد کی المتوفی ۵۶۸ھ کتاب مناقب
 الامام الاعظم (مطبوعہ حیدرآباد دائرۃ المعارف جلد ۲ ص ۱۹۹) میں مختلف
 اسناد سے بطریق امام ابو بکر خطیب بغدادی۔ و بطریق تاج الاسلام
 امام سمعانی وغیرہم روایت کرتے ہیں کہ علی بن میمون کہتے ہیں کہ میں
 نے امام شافعی کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں
 ابو حنیفہ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں اور برابر ان کی زیارت کو
 جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز ادا
 کرتا ہوں۔ پھر انکی قبر پر اور وہاں خدا سے (توسل ابی حنیفہ) دعا
 کرتا ہوں۔ فی الفور میری وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

اس روایت کو اونھین کے الفاظ کے ساتھ علامہ غزالی نے
 جامعہ محدث نے بھی اپنی کتاب اسنالمحاضرۃ میں ذکر کیا ہے۔ ذکر السلف
 شام بعض مجالس من احادیث البخاری۔ ونقل عن الدیلمی
 ابن جامعہ فی کتابہ اسنالمحاضرۃ عن علی بن میمون قال

سمعت الشافعی یقول انی لا تبرک بالی حنیفة واجئ الی قبره
یعنی زائر افاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت
الی قبره وسألت الله تعالی للحاجة عنده فما تبعد عنی حتی
تقضى۔ (روکیو کتاب صلح الاخوان للعلامة السید داود الخالدی مطبوعہ
ممبئی صفحہ ۱۸۳)۔

اور علامہ محدث ابن حجر کی خیرات الحسان (مطبوعہ مصر ص ۶۹)
میں فرماتے ہیں "اعلم انه لم یزل العلماء وذووا الحاجات
یزورون قبره رای قبر الی حنیفة" ویتوسلون عنه فی قضا
هو اجمعهم ویرون فیح ذالک۔ منهم الامام الشافعی لما کان
یبعد اذ فانه جاء عنه انه قال انی لا تبرک بالی حنیفة و
اجئ الی قبره الخ؟

علامہ ابن حجر کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام شافعیؒ
کی طرح دیگر علماء کا بھی قدیماً و حدیثاً امام ابو حنیفہؒ کی قبر شریف کی زیارت
بنیت تبرک و توسل و انتفاع و تشفع معمول رہا ہے۔

اور سنئے! علامہ ابن الجوزی صنوة الصفوة میں نقل کرتے
ہیں کہ امام ابراہیم حربی نے جو امام احمد کے ارشد تلامذہ سے اور فقہ و
حدیث کے امام مطلق تھے فرمایا ہر قبر معروف الکرمی التریاق

المجتہد“ (روسیلہ جلیہ ص ۱۳۹) اور نہ صرف ابن الحرّی ہی کا یہ قول ہی بلکہ تمام اکابر بغداد حضرت معروف کرخیؒ کے ساتھ توسل و استمداد کو قضا کے حوالے کیلئے تریاق مجرب سمجھتے اور کہتے تھے جیسا کہ امام ابوالقاسم قشیری جو تیسری چوتھی صدی کے اکابر فقہائے محدثین و کبار صوفیہ و مشائخ دین سے گزرے ہیں وہ رسالہ قشیریہ (مطبوعہ مصر ص ۱۱) میں حضرت معروف کرخیؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کان من المشائخ الکبار عجاہب الدّٰعوات یستشفی بقبرہ یقول البغدادیون قبر معروف تروائی مجرب۔ اور ایسا ہی علامہ ابن خلدان نے بھی لکھا ہے رد کیہ و نیاۃ الاعیان جلد ۲ ص ۱۳۶)

امام ابو بکر بن خزیمہ جو وسط تیسری صدی کے امام الائمہ اور شیخ شیوخ المحدثین تھے (جنکو امام سبکی امام الائمہ۔ المجتہد المطلق البحر العجاہب۔ لکھتے ہیں طبقات کبریٰ السبکی جلد ۲ ص ۱۳۶) اور ذہبی الحافظ الکبیر۔ امام الائمہ۔ شیخ الاسلام وغیرہ لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۹۶)

اُن کا حال بڑھو اور دیکھو کہ وہ حضرت امام خراسان سیدنا امام علی بن موسیٰ الرضا علی آباءہ و علیہ السلام کی زیارت کو مع اکابر محدثین و اعیان علمائے وقت کس ادب و احترام سے حاضر ہوتے اور شہداء

میں کس طرح اور کس درجہ خضوع و تواضع و تضرع برتتے تھے اور
فیوض و برکات رضویہ سے مالا مال ہو کر واپس آتے تھے۔ حافظ ابن حجر
عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں "قال رای الحاکم و
سمعت ابا بکر محمد بن المؤقل بن الحسن بن عیسیٰ یقول
خرجنا مع امام اہل الحدیث ابی بکر بن خزيمة وعدیلة ابی
علی الثقفی مع جماعة من مشائخنا وھما اذ ذاک متوافران
الی زیارة قبر علی بن موسیٰ احنا بطوس قال فرأیت
من تعظیمة یعنی ابن خزيمة لملک البقعة و تواضعہا لھا
وتضرعہ عندھا ما تخاینا" (تہذیب التہذیب مطبوعہ دائرة
المعارف جلد ۷ ص ۳۸۰)۔

اور حیرت مشہور ابو حاتم ابن حبان صاحب الصحیح فرماتے ہیں کہ
ہم جب کوئی مصیبت نازل ہوئی تو ہم حضرت سیدنا امام رضا سلام
تعالیٰ علیہ کے مشہد مقدس پر حاضر ہوئے اور امام کے روضہ مقدسہ
توسل امام دعا کی۔ اور فیض و برکت رضویہ سے میری بلائیں مٹ
اور میری دعا مقبول ہوئی۔ اور ایسا متعدد بار میں نے اسکا تجربہ کیا
اور دیکھو کتاب الثقات ابن حبان ترجمہ امام رضا سلام اللہ علیہ کی یہ
تجارت) "ما حلت لی شدة فی وقت مقامی بطوس و نہارت

قبر علی بن موسیٰ الرضا صلوٰۃ اللہ علی جده وعلیہ ودعوت
اللہ تعالیٰ التھاعنی الا استجیب لی ونازلت عنی تلك الشقة
وهذا شئ جرت به موارا منقول از نسخہ قدیمیہ تلمیہ در کتب خانہ حیدر آباد
مولوی حسن الزمان صاحب علیہ الرحمۃ۔

اور سنو۔ امام حافظ ابوالقاسم ابن عساکر محدث شام فرماتے
ہیں کہ مجھ سے شیخ صالح علامہ ابی عبد اللہ محمد بن محمد بن عمر الصفار
الاسفرائینی نے روایت کی ہے کہ اسفرائین میں ابو عوانہ محدث کا
مزار زیارت گاہ عالم ہے اور مخلوق انکی قبر سے تبرک و فیوض حاصل
کرتی ہے۔

پھر وہ اپنے جہاد مجاہد امام عمر صفار کا حال بیان کرتے ہیں (جو کہ بیک
واسطہ اساتذ ابوالقاسم قشیری وغیرہ کے شاگرد اور شیخ العصر نفی جنکو
تلمیذ الاسلام عبد الکریم سمعانی و امام فاضل بارع و مبرز من
بیت العلم والحديث کہتے ہیں۔ دیکھو طبقات الشافعیہ للامام
السبکی جلد ۲ ص ۲۸۵) کہ جب وہ اساتذ ابوالسخت کی قبر مبارک پر جاتے
تھے تو کثرت ادب سے روضہ کے اندر داخل نہ ہوتے تھے بلکہ تھیں
عتبہ کے بعد کمال ادب و تعظیم سے کھڑے رہتے تھے۔ اور جب
مشہد ابو عوانہ میں حاضر ہوتے تھے تو اس سے بھی زمین زیادہ

تعظیم و اجلال و توقیر نظر رکھتے۔ اور بڑی دیر تک کھڑے رہ کر فیض و
برکت حاصل کرتے رہتے تھے۔ (تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد ۱۴)
ذیل میں ایک اور قابل قدر اور عجیب روایت پیش کرتا ہوں جو
ایک جماعت فقہاء و محدثین اہل سمرقند کا امام بخاری کی قبر سے توسل و
تشفع کا واقعہ ہے اور جس کو اکابر محدثین نے اپنے اسناد عالیہ
روایت کیا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حجة الحفاظ امام تاج الدین سبکی اپنی طبقات
(جلد ۲ صفحہ ۱۷۱) میں فرماتے ہیں۔ وقال ابو علی الغسانی الحافظ
اخبرنا ابو الفتح نصر بن الحسن السمرقندی قدم علينا
بلنسية عام اربع و ستين و اربعائة قال قحط المطر عندنا
بسمرقند في بعض الاعوام فاستسقى الناس مرارا فلم يسقوا
فالتي رجل صالح معروف بالصلاح الى قاضي سمرقند فقال
له اني قد رايت رأيا اعرضه عليك قال ما هو قال ارى
ان تخرج و تخرج الناس معك الى قبر الامام محمد بن اسمعيل
البخاري و تستسقي عنده فعسى الله تعالى ان يسقينا فقال
القاضي نعم ما رأيت فخرج القاضي و الناس معه و استسقى
القاضي بالناس و بكل الناس عند القبر و تشفعوا بصاحبه

فارس الله تعالى السماء بماء عظیم غریز ققام الناس من
اجله خرتنگ سبعة ايام او نحوها۔ لا يستطيع احد
الوصول الى سمرقند من كثرة المطر غرازتہا و بیان سمرقند
و خرتنگ خوثلثة اميال ۛ

(خلاصہ) استاد حافظ ابو علی غسانی محدث المتوفی ۷۹۸ھ

کہتے ہیں کہ مجھے شیخ ابو الفتح نصر سمرقندی مقام بلنسیہ میں ۷۶۷ھ میں
بیان کیا کہ ایک سال سمرقند میں سخت قحط پڑا۔ بار بار نماز استسقاء
پڑھی گئی مگر بارش نہ ہوئی۔ آخر ایک صالح و معروف بزرگ سمرقندی نے
قاضی سمرقند کو یہ مشورہ دیا کہ سب لوگ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی
قبر پر چلیں اور وہاں خدا سے دعائیں مانگیں امید ہو کہ اللہ پاک امام
کی برکت سے دعا قبول فرمائے گا۔ قاضی شہر صاحب نے اس رائے
کی بہت تحسین فرمائی اور تمام لوگوں کو لیکر سمرقند سے نکلے اور فرار امام
بخاری پر جا کر خدا سے بارش کی دعا مانگی۔ لوگ امام کی قبر پر خوب
روئے پیٹے۔ اور امام کا توسل وشفعہ کر کے دعائیں کی گئیں ایسی قوت
پائی کہ بنا شروع ہوا اور اسقدر بارش ہوئی کہ خرتنگ دہان امام کا فرار
برکت آتا رہے) سے تین میل سمرقند جا نا غیر ممکن تھا۔ قریباً سات دن
تاک کثرت بارش کے باعث تمام لوگ وہیں رکے رہے۔

اب غور کر دکھ اگلے علماء و فقہاء و محدثین کا مسلک، روش طریقہ اور مشرب کیا تھا اور اب موجودہ فرقہ مدعی عمل بالحدیث کا مسلک و روش کیا ہے۔ ع۔

بہین تفادیت رہ از کجاست تیا کجا

اگلے محدثین اہل قبور سے توئل و استمداد کے برابر قائل و فاعل تھے اور اسکو شرعاً جائز و مندوب سمجھتے اور کہتے تھے جیسا کہ واقعات و احادیث مرقومہ بالا سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے حتیٰ کہ متقدمین کی جماعت میں سے وہ محدثین بھی جن کا تشدد و تقشف اور صوفیہ کرام نے صعب و نیا میں مشہور ہے اس سلسلہ میں وہ بھی مشائخ دین کے ہم مسلک نظر آتے ہیں چنانچہ علامہ ابن جوزی محدث جلیا شخص بھی قبور اولیاء و صالحین سے توئل و استفاضہ و تبرک و استمداد کا پوری طرح قائل و فاعل ہے۔ علامہ مجدد اپنی کتاب صیۃ الخاطر میں اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ بدایۃ الامر میں کثرت زہد نے میرے قلب میں ایک خاص لذت و جلالت پیدا کر دی تھی۔ پھر وہ حالت بعض وجوہ سے متغیر ہو گئی۔ میں جب اسکی اصلاح سے عاجز آ گیا۔ اور پریشانی بڑھنے لگی تو میں نے قبور صالحین کی طرف توجہ کی اور ان سے توئل کیا۔ اور بعد اشد بھر وہ پہلی بات جو گم ہو گئی تھی اہل قبور کی برکت سے مجھے حاصل ہو گئی۔ علامہ کے خاص

الفاظ اس موقع کے یہ ہیں۔

فَلَجَأْتُ إِلَى قُبُورِ الصَّالِحِينَ وَتَوَسَّلْتُ فِي صَلَاحِي فَلَجْتُ بِبَنِي
لَطْفٍ مَوْلَايَ إِلَى الْخَلَاةِ الْهَيَّةِ (دیکھو کتاب صالح الاخوان للسید
داؤد الخالدي رحمة الله عليه مطبوعہ ممبئی ص ۵۹-۶۰)۔

اگر ان دلائل و ضحہ اور روایات و واقعات و اقوال مرقومہ کے
بعد بھی منکرین برسر انکار ہی رہیں۔ اور تو شل و استمداد کو شرک و کفر و
بیعت کہنے سے اپنی زبان کو نہ روکین اور مجوزین پر جملہ طعن و تشنیع کرنے
سے باز نہ آئیں تو اس کا جواب ترکی بہ ترکی سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا
ہے کہ یہ آیت قرآنیہ پڑھ کر سکوت اختیار کیا جائے کہ صُمْ بِكُمْ عَمِي فَهَمُّ
لَا يَحْقُلُونَ۔ یا یہ آئیہ کریمہ تلاوت کی جائے کہ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآخِرَةِ
يَسْأَلُ الْكَافِرُ مِنَ الْمُحْسِنِ الْقُبُورِ (پ ۲۸- ذکر ع ۸)

اب میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں مگر آخر میں اتنا کہنا ضروری ہو کہ
خدا را در احضرات محالفین و منکرین دینانہ غور و انصاف فرمائیں کہ اہل
حق کے پاس مسائل زیر بحث میں کس قدر دلائل و بینات موجود ہیں۔ اور
اکابر سلف و خلف کی جماعت عظیمہ ان کے ہم مسلک ہیں۔ مگر باوجود اسکے
اگر اب تک امر حق ان پر واضح نہیں ہوا۔ تو میں بہ عاجزی عرض کر دین گا
کہ وہ شوق سے اپنے خیالات و معتقدات پر قائم رہیں۔ اور سماع موتی

و تو تسل و استمداد اگر ان کے نزدیک غیر ثابت و اجازت نہ ہے تو وہ ناجائز
سمجھا کرین ہمیں اسکی ان سے کوئی شکایت اور کوئی تکلیف نہیں کیونکہ
بیشک متقدمین میں بھی علماء و فقہاء متفقین کی ایک جماعت اسکی منکر
رہی ہے۔ اور نحین کی اندھی تقلید نے ان حضرات کو بھی ایسے امور ثابتہ
کے انکار پر مجبور کر دیا ہے۔ بہر حال ع۔

”وللناس فیما یعشقون مذاہب“

اور ”کُلُّ خَرِیْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فُرْحُوْنَ“

مگر یہ خوب یاد رکھیں کہ تاملین و مجوزین پر انکو کبیر کرنے کا ہرگز کوئی
حق نہیں حاصل ہے کیونکہ کم از کم یہ حضرات براہ دین و دیانت اس کا
اقرار ضرور ہی کریں گے کہ مسئلہ سلف صالحین و مجتہدین و اکابر علمائے دین
میں مختلف فیہ ہرچکا ہے اور مسائل خلا فیہ بین العلماء میں کسی جانب
کبیر کا حق نہیں ہے۔ لہذا تقریر فی کتب الاصول

مسلم الثبوت اور اسکی شرح میں بھی اسکو لکھ دیا ہے۔ اور امام عبد الوہاب
شعرانی و علامہ ذہبی وغیرہا نے بھی تصریح کر دی ہے۔ اور شرح
مقاصد میں بھی موجود ہے کہ مسائل مختلف فیہا میں انکار و کبیر اور
تشدد و تبدیع و تفصیق و تفلیل کسی جانب نہیں کیا جاسکتی۔ اور
ایسا ہی امام المحدثین امام احمد بن حنبل سے بھی عنایت الطالبین ص ۱۲۳

میں مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔
فَالْاِنْكَارُ اِنَّمَا يَتَعَيَّنُ فِي خَرَقِ الْاِجْمَاعِ دُونَ الْمَخْتَلَفِ فِيهِ

سمع موتی

منکرین سماع موتی کا طرز استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
ارشاد فرمایا ہے کہ "أَنْتَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ" اور وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ
مَنْ فِي الْقُبُورِ

اس سے معلوم ہوا کہ مردے نہیں سُن سکتے ہیں۔ اور حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے تفقہاء و خدا واد علمی قابلیت کی وجہ
سے قلب بدر کے قصے میں سماع موتی سے انکار کرتے ہوئے
اسی آیت کو استدلال میں پیش کرتی ہیں اور پھر انھیں نصوص قطعیہ کی
وجہ سے فقہائے حنفیہ حلف کے مسئلہ میں "فَإِنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ"
لکھ دیا کرتے ہیں جیسا کہ اکثر شروح اور فتاویٰ کتب حنفیہ میں مفسر
موجود ہے۔

یہ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ سب باتیں بہت ٹھیک ہیں نہ
قرآن کی آیت غلط۔ نہ حضرت عائشہ کا استدلال غلط۔ نہ فقہائے
کرام کے مسائل مفسرہ غلط۔ مگر خدا را فریق ثانی کے بھی استدلال اور

معارضے پر ذرا غور کیجئے۔

وہ کہتے ہیں کہ آیات متدلہ سے نفی سماع اموات ہرگز مستنبط نہیں اسلئے کہ ان الاموات لا یسمعون نہیں وارد ہوا جو بطور تادل عبارت النص پیش ہو۔ اور ان آیات میں موتیٰ سے مراد مرد نہیں ہیں بلکہ یہ استعارہ کفار کے ساتھ ہے کہ انکو اموات سے تشبیہ کی گئی ہے۔ اور وجہ تشبیہ (مشبہہ و مشبہ بہ کے درمیان) عدم اجابت ہی نہ کہ عدم سمع۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کفار بہرے نہ تھے۔ انکی قوت سمعیہ زائل نہ تھی۔ کیا صم بکم عجمیٰ میں کوئی اہل علم کہہ سکتا ہے کہ وہ بگوئے بہرے، اندھے، تھے؟

لاواشر۔ وجہ تشبیہ وہی عدم اجابت ہے۔ پھر اس آیت سے عدم سمع کیونکر ثابت ہوا؟

اور سنئے! اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتٰی اور وَاَنْتَ مُسْمِعٌ فرمایا گیا جو باب افعال سے ہے۔ جسکے معنی یہ ہوئے کہ تم نہیں سنا سکتے ہو۔ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ فی نفسہ وہ نہیں سن سکتے اور خدا بھی انھیں نہیں سنا سکتا۔ کیا آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ۔ اس بات کی صاف دلیل نہیں ہے؟ اب رہا حضرت صدیقہ کا قول اور اَنْ کا استدلال تو اسکا جواب

یوں دیا جاتا ہے کہ ہم صحابہؓ بمقابلہ انص و مخالفت دیگر صحابہ کرام حجت
 نہیں ہے حضرت عمر اور حضرت علیہ رضی بن عمر رضی اللہ عنہما جو واقعہ
 بدر میں شریک تھے پھر وہم حضرت ام المومنین وہ حضرات کیونکر غلط
 اور غلط بیان ثابت ہو سکتے ہیں حضرت ام المومنینؓ تو اس واقعہ میں
 موجود بھی نہ تھیں۔ معذرا خود حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا
 سے ایسی روایت بھی منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں
 اپنے اس پہلے خیال سے رجوع فرمایا۔

جب قرآن پاک کسی فرقہ کیلئے کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہے
 تو اب ہکومت یعنی احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

یہ امر خوب روشن ہے کہ فن حدیث کی معتبر کتاب صحاح ستہ اور دیگر
 مسانید و معاجم و سنن میں بعبارة النص (جو قطعی الدلالہ ہوتی ہے) اکثر
 روایات سلع موقی کے ثبوت میں موجود ہیں۔ بدر کا قصہ صحاح میں موجود ہے
 کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم نے حضرت عمر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم سے یہ مردے زیادہ سنتے ہیں اور
 صحیح مسلم میں ہے کہ مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آہٹ اور جلنے کی آواز
 سنتا ہے۔ دیگر روایتوں میں ہے کہ مردہ زائرین کا سلام سنتا ہے اور انکو
 جواب دیتا ہے۔ ان حدیثوں کی تصحیح اکابر محدثین نے کی ہے۔ اور

فرقہ دہا بیہ کے پیشوا جنھیں وہ عقائد میں اپنا امام جانتے ہیں جیسے علامہ ابن تیمیہ وابن قیم وابن عبد البر والکھادوقاضی شوکانی وغیرہم سب نے ان حدیثوں کی تصحیح کی ہے اور سب سماع اموات کے قائل تھے جیسا کہ صائم منکی اور کتاب الروح وغیرہ میں موجود ہے دیکھو کتاب الروح صفحہ ۱، تحقیق سماع موتی۔

عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ ہر مسئلہ میں تو یہ لوگ حُرَّانی و شوکانی کا دم بھرتے ہیں مگر عقائد حقہ میں انکی تحقیقات کی ذرہ پر دانہ نہیں کرتے۔ اور حنفیوں کے الزام کیلئے چند بے سرو پا روایات عامہ کتب فقہ کی اوٹھا لاتے ہیں۔ نہیں معلوم "اتو کا قولی بنحیہ اللہ" کا دروازہ یہاں پر کیوں مسدود کر دیا جاتا ہے۔ اور حدیثوں کی بیوجہ تاویل کہیں اسکو معجزہ کہنا۔ کہیں اسکو خصایص سے شمار کرنا۔ یہ کون سے انصاف و دیانت کا اقتضا ہے۔ یہ فقط اربعین اور اکتہ مسائل کی پاسداری ہے ہرگز ایمین حقانیت نہیں ہے۔

اس موقع پر میں ایک تقریر دلیپذیر حضرت قبلہ و کعبہ عالم جناب والد ماجد دامت برکاتہ کی "سماع موتی" پر پیش کرتا ہوں جو حضرت قبلہ نے بمقام جماعت اہل حدیث فرمائی ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ یہ تقریر کس قدر حقانیت سے ملبوس ہے۔

اور نفسِ مسئلہ پر کس قدر صفائی اور وضاحت سے روشنی ڈالتی اور
 اخلاقات و نزاعات کو مٹا کر امرِ حق کو ظاہر کرتی ہے۔ اس تقریر
 کی بنا پر نہ تو آیات قرآنیہ کی کوئی تاویل کرنا پڑتی ہے۔ اور نہ
 احادیث صحیحہ سے انکار لازم آتا ہے اور نہ فقہاء کے مسئلہ کی
 تغلیط ہوتی ہے۔ سب باتیں اپنی اپنی جگہ پر رہتی ہیں اور ساتھ
 اسکے منکرین سلع اموات اور قائلین سلع کے مابین درحقیقت
 کوئی جھگڑا باقی نہیں رہتا۔ مگر تعصب و نفسانیت کا خدا بڑا کرے
 کہ یہ حق شناسی سے انسان کو باز رکھتی ہے۔ وہ تقریر مختصر لفظوں
 میں یوں ہے کہ:-

کان کے ثقبہ مجوزہ میں تموج ہوا کے ذریعہ سے کسی صوت صدا
 کے جا کر ٹکرانے سے قوائی دماغی کو جو جس پیدا ہوتا ہے۔ اسی کو
 سمع کہتے ہیں اور مرنے کے بعد جب حیات بدنی فنا ہوگئی تو اسکے
 ساتھ ہی ساتھ۔ سمع۔ بصر۔ لمس۔ شہوم۔ ذوق۔ سب تو تین بھی
 باطل و معطل ہو جاتی ہیں پس قرآن مجید میں جو اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ
 الموتی فرمایا گیا وہ اپنی جگہ پر بلا تاویل بہت درست ہے کیونکہ سمع
 کا تعلق قوائے جسمانی سے ہے اور سارے قوائے جسمانیہ مرنے
 کے بعد فنا ہو جاتے ہیں اب نہ تو قوت سامعہ باقی ہے۔ نہ تموج

ہوا کے ذریعہ سے قرح صلاح ہو سکتا ہے۔ نہ قوامی دماغی کو اس کا
 کوئی احساس ہوتا ہے۔ بلکہ عموماً قبرین۔ سارے جسم کے ساتھ
 تمام قواسم جہانیہ کے محل بھی سڑکل کر چھٹی ہو جاتے ہیں۔ نوظاہر
 ہے کہ مردوں کیلئے اب یہ سمع کیونکر ثابت ہو سکتا ہے اسی لئے
 کہا گیا کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور تمہاری آواز مردوں کے
 کانوں تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ سکرین بالکل انہین کے مانند
 ہیں کہ حق بات اپنے کانوں کے اندر جانے ہی نہیں دیتے۔ گویا
 انہوں نے اس قوامی کو باطل کر دیا ہے۔

مگر واضح رہے کہ روح جو زندہ اور باقی چیز ہے اور جسم
 علیحدہ ہونے کے بعد بھی اسپرناطاری نہیں ہوتی اسکی زندگی
 کے ساتھ اسکے قواسم خاصہ بھی زندہ و باقی رہتے ہیں۔ پس
 مردوں کو مرنے کے بعد روحانی طور پر احساس و ادراک اور روحانی
 علم و شعور یقیناً و قطعاً باقی رہتا ہے سمع جہانی کی عدم تحقق سے
 روحانی ادراک و شعور کا عدم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ روح علایق
 جہانی سے آزاد ہونے پر اور زیادہ دُرُاک و حساس ہو جاتی ہے۔
 پس صحیح و معتبر حدیثوں میں جو وار و ہے کہ مردے سنتے ہیں
 مردے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ مردے پاؤں کی چابکی آواز

محسوس کرتے ہیں۔ مردوں کو اونکی قبروں پر چڑھنے۔ اور مردوں نے
یا توہین کی حرکت کرنے سے ایذا ہوتی ہے۔ اور مردوں کو زندوں
کی طرف سے دعا دہاؤ والیصال ثواب سے خوشی ہوتی ہے۔ وغیرہ ایک
بیشک یہ سب صحیح ہے۔ مگر سب مراد وہی روحانی سماع یعنی
ادراک روح و علم و شعور روحانی۔ اور روحی تکلیف و الم یا مسرت۔ اور
روحانی طور پر جواب سلام مراد ہے نہ جسمانی اب آیت قرآنی
اور ان احادیث نبویہ میں باہم کوئی تخالف و تناقض ہرگز نہ رہا۔

اور اس کا ثبوت کہ احادیث میں سماع موتی سے علم و شعور موت
مراد ہے۔ اور مردوں کے اس روحانی ادراک و علم و شعور کا کوئی بھی
منکر نہیں ہے۔ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت
متعلق واقعہ قلب بدر میں قول حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
و صحابہ وسلم ما انتم باسمع لما اقول منہم کہ یہ مردے میری
بات کو تم سے زیادہ سن رہے ہیں کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا نے اسی آیت اِنَّا لَا نَسْمِعُ الْكَوْتٰی سے استدلال کر
کر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہوگا
کہ اِنَّهُمْ اِلَّا اَنْ لَّيَعْلَمُوْنَ۔ دیکھئے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا نے سماع کے لفظ کا انکار فرمایا مگر علم و شعور کا انکار نہ فرمایا بلکہ

سمع کی جگہ علم کا لفظ بتلایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ
رضی اللہ عنہا اس سمع سے انکاری ہیں جس کا تعلق جسم سے ہے (جو
کان کے ثقبہ مجوزہ میں قرع ہوا کے ذریعہ سے ہوتا ہے) بلکہ مطلق ادراک
و شعور و علم اموات سے جس کا تعلق حس روحانی سے ہے۔ اور جو سمع
کی بقا کے ساتھ ہمیشہ باقی ہے۔

اور فقہائے حنفیہ کی طرف جو عدم سماع موتی کے قول کی
نسبت کی جاتی ہے اس کا تعلق بھی اُسی سماع سے ہے جو عرف عام میں
مفہوم ہوتا ہے نہ اس روحانی سمع سے جس سے مراد علم و ادراک ہے۔
فقہاء نے عین کے مسائل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص
کسی سے کلام کرنے کی قسم کھالے۔ اور اسکے مرنے کے بعد قبر پر جا کر
کلام کرے تو حانت نہ ہو گا کیونکہ مردہ سنتا نہیں۔“

فقہاء عرف عام کو لیتے ہیں اور عہود و ایمان میں عرف عام ہی کا
اعتبار کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ عرفا مرفوعے سے مخاطب کرنے کو کلام
کرنا اس شخص سے نہیں کہا جاتا۔ اور سمع سے مراد عرف میں وہی
جسمانی سمع ہے جو عمرہ اموات میں مقبوض ہوتی ہے۔ پس یہ مسئلہ
فقہیہ اپنی جگہ پر بہت صحیح ہے۔ مگر اس سے مسئلہ عدم سماع موتی پر
استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔

تتمتہ و تہداد

شیخ الاسلام علامہ سید شہاب الدین حموی حنفی نے جو جلیل المرتبہ
حنفی عالم اور شارح اشیاء و نظائر ہیں اور جن سے علامہ شامی و علامہ
طحطاوی بکثرت اقتدا کرتے ہیں، ایک رسالہ مسمیٰ بفتحات القرب
لکھا ہے جس میں کرامات اولیاء بعد الانتقال کو بدلائل و براہین ثابت
کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "من نسب الی الامام ابی حنیفۃ القول
بانقطاع الکرامات و اھم۔ وعن طریق اہل البعدی ضال۔
اولم ینتبت فی شیء من کتب مذہب ابی حنیفۃ اصولاً و
فروعاً القول بانقطاع الکرامات بالموت بل لم ینتبت فی
شیء من کتب المذاهب الثلاث الخ ص ۲۱۶ مجموعہ ثقفاء السقام
مطبوعہ مصر۔"

یعنی کرامات اولیاء کے (بعد از حلت) فنا ہو جانیکا قول جو امام
ابو حنیفہؒ کی بجانب منسوب کرتا ہے وہ دام و ہم میں گرفتار رہے اور اہل
دینی کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے اسلئے کہ مذہب ابو حنیفہ کی اصول و
فروع کی کسی کتاب میں بھی کرامات اولیاء کا بعد حلت منقطع ہو جانا

ثابت نہیں۔ بلکہ دیگر مذاہب ثلاثہ کی کسی کتاب سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا۔

اور تصرف اولیا کے ذکر میں فراتے ہیں کہ کوئی حاجتمند نہ تو ان لوگوں (یعنی اولیا) کو زندگی میں مستقل اور خالق و موجد سمجھتا ہے اور نہ بعد از وفات۔ حاجتمندوں کے کلام سے خواہ مخواہ وہی مطلب پیدا کر لینا جو ہرگز ان کے دلوں میں نہیں درحقیقت ایک تلبیس اور فریب وہی ہے۔ مسلمانوں پر ہرگز گمان بد نہ کرنا چاہیے۔ انکی اسی مفہوم کی اصل عبارت یہ ہے۔

ثم ان تصرف الاولياء في حياتهم وصما قهم انما هو باذن الله
واسراده لا شريك له في ذلك خلقا ولا ايجادا۔ ولا يقصد
الناس بسواهم قبل الموت وبعدا نسبتهم الى الخلق والايجاد
ولا استقلال بالافعال فان هذا لا يقصده مسلم ولا يخطر
ببال احد من العوام فضلا عن غيرهم۔ فصرف الكلام
اليه ومنعه من باب تلبيس في الدين الخ ص ۱۱

فرق نجد یہ اور ان کے حامی معنی مجازی اور استعارے سے بہت
گھبراتے ہیں اسلئے جب کوئی صاحب ایمان بزرگوں سے توسل کرتا ہے
اور ان سے مجازا استغاثہ کرتا ہے تو یہ فی الفور اسے مشرک و کافر کہتے

ہیں اور قرآن پاک کی وہ آیتیں جو مشرکین کی شان میں ہیں اس پر
منطبق اور چسپان کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مشرکین اپنے معبودوں کو
طاقت و قوت میں مستقل مانتے ہیں اور اسی سبب وہ انکی عبادت
کرتے ہیں اور جعلی عبادت سے خدا کا تقرب چاہتے ہیں لیکن
ایک جاہل سے جاہل مسلمان بھی ہرگز کسی بزرگ کی طاقت و قوت کو
حیا و میثا مستقل نہیں مانتا اور نہ انکی عبادت کرتا ہے۔ وہ عبادت
جب کرتا ہے تو خدا سے واحد ہی کی کرتا ہے۔ ان اپنے کثود کار
میں وہ انھیں وسیلہ سمجھتا ہے۔ پس پھر زور طاقت تصرف کا کسی
بندے کی طرف نسبت کرنا ہرگز شرک نہیں۔ اسے شرک کہنا ایک
کھلی نادانی اور قرآن و حدیث سے نا آگاہی کا سبب ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ حاکم حقیقی فقط خدا سے رب لغت ہی
جیسا ارشاد ہوا کہ ان المحکم الا للہ اور لا یشرک فی حکم احد
لیکن ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاکم قرار
دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے حتی یحکوک فیما شیعہ بینہم جنانچہ
معاملات دنیوی کے فیصلہ کر نیوالے کو بھی حکم اور حاکم کہا جاتا ہے۔
اس طرح ہر انسان اس سے آگاہ ہے کہ جان دینے والا اور
جانت لینے والا باری تعالیٰ ہی ہے جیسا فرمایا گیا۔ ہو بھی و میث

اور اللہ توفی الانفس حین موتھا (یعنی حقیقی ہین) پھر ملک الموت کی طرف بھی جان لینے کی نسبت کی گئی اور کہا گیا کہ قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم (اور یہ معنی مجازی ہین) ملک الموت فقط ایک واسطہ ہین اور درحقیقت جان لینے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے جان دی اسی نے لی۔

علیٰ ہذا القیاس بیماروں کا اچھا کرنے والا وہی شافی حقیقی ہے جیسا فرمایا گیا و اذا مرضت فهو یشفیہ۔ مگر نسبت مجازی وسیلہ کی طرف بھی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت سیدنا مسیح سلام اللہ علیہ وعلیٰ نبینا اپنے آپ کو فراتے ہین و ابدء الامک و الا برص و ائحی الموتی باذن اللہ۔

یونہی اولاد دینے والا وہی خدائے رزاق ہی لیکن وسیلہ کی ولایت بھی اسکی مجازی نسبت ہوتی ہے پڑھو سورہ مریم رکوع ۲ حضرت جبریل امین نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے فرمایا لا ھب لک غلاما نہ کیا۔

اسی طرح مالک و مولا کے حقیقی اور جان کا مستحق وہی پروردگار ہی جیسا ارشاد ہوا اللہ ولی الذین امنوا اور نعم المولیٰ و نعم النصیر مگر مجازاً بندوں کی طرف بھی نسبت ہوتی ہے جیسا ارشاد ہوا انما ولیکم

اللہ ورسولہ الخ اور النبی اولی بالموضنین من انفسہم۔

اسی طور پر اعانت و ارشاد ہی خدا کے معین ہی کرتا ہے مگر مجازاً اسکی نسبت بندوں کی طرف بھی ہوتی ہے ایک دوسرے سے اعانت طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ تعاونا علی البر والتقویٰ اور کبھی نیک عمل سے استعانت کی جاتی ہے حکم ہوا۔ استعینوا بالصبر والصلوة۔

اسی طرح ہر انسان درحقیقت خدا کا ہی عبد ہوا کرتا ہے جیسا فرمایا گیا۔ ان الارض یرثھا عباد علی الصالحون۔ لیکن مجازاً نسبت عبدیت بندے کی بندے کی طرف بھی ہوتی ہے مثلاً فانکوا الا یامی والصلحین من عبادکم واما انکم۔

اسی طریقے سے تمام انسان کا رب حقیقی خدا ہے رب العلمین ہی ہے چنانچہ ارشاد ہوا ان سراپک علیم حکیم۔ لیکن مجازاً رب کی نسبت غیر خدا یعنی انسانوں کی طرف بھی ہوتی ہے مثلاً واذ کوئی عند سراپک اذ قد لدا الامۃ سراپکھا الخ۔

یوں ہی مستغاث حقیقی فقط رب العزت ہے لیکن مجازاً بندہ بھی بندے سے بھی متغاث کرتا ہے۔ ارشاد ہوا فاستغاثہ الذی من شیعۃ علی عدوہ۔ صحیح بخاری میں حضرت سیدتنا ہاجرہ کے

قصہ میں بھی استغاثہ موجود ہے۔ نیز حدیث شفاعت میں حضرت سیدنا
آدم سلام اللہ علیہ کے ساتھ لوگوں کا استغاثہ موجود ہے۔
فاستغاثوا بآدم۔

حصہ حصین کی ایک حدیث ہے جسے محدثین نے حسن کہا ہے کہ
وان اراد عونا فليقل يا عباد الله اعينوني يا عباد الله اعينوني
يا عباد الله اعينوني۔

اس میں صاف مذاکے غائب اور استمداد موجود ہے اور غائب
جو نظر کے سامنے نہیں لفظ ”یا“ کے ساتھ مخاطب ہے۔

نیز امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔
حدثنا ابو نعیم قال حدثنا سفیان عن ابی اسحق عن عبد الرحمن
بن سعد قال خذ رات رجل بن عمر فقال له رجل اذكر حب
الناس اليك فقال يا محمد حبك^{۱۲} اور ایک روایت میں ہے۔
وصاح يا محمد ا^{۱۳}۔

شرح حدیث نے لکھا ہے کہ قصد بہ اظہار المحبة فی ضمن
الاستغاثۃ۔ (کاش) یا رسول اللہ کو شرک و کفر کہنے والے
اب بھی عبرت حاصل کریں۔

اسکے سوا پنجگانہ نماز میں حضرت رسول خدا صلعم کے زمانے

سے الی یومنا هذا "السلام علیہا ایہا النبی" ہر مسلمان کہتا ہے۔ یہاں بھی غائب عن النظر سے خطاب ہے۔ صحابہ و تابعین سے برابر آج تک ایسا مخاطب متواتر ہے۔ مگر افسوس کہ نجدی اور اسکے بعض ہندی و پنجابی متبعین ایسے مخاطب استغاثہ اور الہی استعانت و استمداد کو بے دھڑک کفر و شرک کہہ دیتے ہیں۔ کثرت کلمۃ تخریج من افواہہم ان یقولون الا کذبا۔

نجدی عموماً اہل سلام اور خصوصاً اہل حرمین شریفین کو بوجہ استعانت و استمداد و تعظیم قبور مشرکین و عبّاد الشیطان کہتے ہیں جیسا کہ نجدی دل کا کتاب التوحید اور اسکے نبیرہ کی کتاب التوضیح اور نجدی حال کی اہدیا السنیہ سے ظاہر ہے اور ایسے مسلمانوں کا قتال اور انہیں جہاد اپنے فرائض سے بتاتی ہیں۔ اور تجمعات و مزارات متبرکہ کو لات و عی سمجھ کر اسکا انہدام واجب بتاتی ہیں۔ دیکھو توضیح ص ۱۳۲

انما نکفر بالشرك الذي لا يغفر وهو دعاؤها ورجاؤها والاستغاثۃ بما رذیخ القربان والندیر لہا لتدفع سوء او تعجل خیرا ویکون واسطۃ فی ذلک نعم نحن نهدم القباب التي علی القبور ونامر نجد مہا کما ہدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقبۃ اللات فی الطائف۔

پھر آگے چل کر کتاب ہے کہ ان قبول کا دہا نام مسجد ضرار کے انہدام سے
بھی زیادہ ضروری ہے۔

وهو ادلى بالهدم من بناء الغاصب قطعاً وادلى من هدم مسجد
الضرار الما مورجده مع شرعاً اذا المفسدة هنا اعظم حماية للتوحيد
اور ہندوستانی نجدی العقیدہ نے بھی اسکو اہم فرض لکھا ہے
انکو گون کو یہ خبر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔
ان الشیطان قد یئس ان یعبد - فی جزیرۃ العرب -
یعنی رسول خدا صلعم کی توحید بھلانے کے بعد شیطان جزیرہ عرب میں
اپنی پرستش سے مایوس ہو گیا۔

اور توضیح نجدی ص ۹۱ میں تصریح موجود ہے کہ امام احمد نے کہا
کہ جزیرہ عرب مکہ و مدینہ و خیبر و ینبوع و ذک اور اسکے گردا گرد و مراد ہے۔
بس خدا را انصاف شرط ہے کہ اہل حرین کیذکر عباد الشیطان
ہو سکتے ہیں۔ البتہ شیطنیت نجدی شیطین کی ہو کہ اہل حرین کو شرک
کہتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو ایمانی تمغہ
عنایت فرمایا ہے۔ دیکھو صحیح مسلم۔

غالب القلوب والجفاء فی المشرق والایمان فی اهل المجنل
یعنی سنگدلی و ظالمانہ روش مشرق (یعنی نجد) والونکی ہو اور

نورایمان اہل حجاز میں ہے۔

المشرق کا الف دلام نجد معبود غیر مبارک کو بتلارہا ہے طرز ترتیب امام
نجماری اور اقبال شراح ہمارے شواہد ہیں۔

اس نص قطعی الدلالت کے بعد اہل نجد و اہل حجاز کا مسئلہ مذہبی
طور سے ختم ہو گیا۔ اہل سیاست سے مجھے کوئی بحث نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اللھم لا تجعل قبری و ثنائی بعدی

اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اسکی پرستش ہو۔

یہ دعا حضور کی قبول ہوئی اور پرستش سے قبر مبارک محفوظ ہو گئی۔

اور ابن قیم جو نجد یونکے مذہبی حیثیت سے مورث اعلیٰ میں انکو بھی اس دعا
کی قبولیت کا اقرار ہے جیسا کہ وہ اپنے نونیہ میں کہتے ہیں۔

ولقد نھا نا ان نصیر قبرہ عبد حذا الشریک بالدیان

و دعا بان لا تجعل القبر الذی قد ضمه و ثنائه الا وثان

فاجاب ربنا لعلمین دعائہ و احاطہ بثلثة جدران

حتی غدت ارجاءہ بعدائہ فی عترۃ و حمایتہ و صیان

الغرض بنائے قبر خضر اسے ہر قسم کی حفاظت ہو گئی۔

اب پھر اس مزار مقدس کو صنم اکبر کہنا اور زائرین باخشوع و خضوع

مشرکین و عباد صنم کہنا۔ کیا یہ گستاخی دے ادبی یا توہین رسول نہیں ہو۔
تو اور کیا ہے۔ یا اسکو سو منات و بت و استھان کہنا جیسا کہ بعض نجابی
دریدہ دہن کہہ رہے ہیں توہین رسول نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اُسے بت بننے سے بچالیا۔ پھر یہ بے ادب
جو بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ کیوں ایسے تشبیہات سے اپنے ایمان
کو خراب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر لائے۔ آمین ثم آمین۔
نجدی اور ان کے متبعین کی یہ عادت ہے کہ جب قرآن و حدیث
ان کے سامنے پیش کیجاتی ہے۔ اور جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ تو
کہنے لگتے ہیں تم اپنے امام ابو حنیفہ کا قول پیش کر و سماع موتی اور
استمداد عرس مولود شریف بوسہ قبر وغیرہ امین اپنے امام کے قول لاؤ۔
یکس قدر عامیانہ باتیں ہیں۔ جو شخص مذاہب ائمہ اربعہ سے
واقف ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ ہر جزئی مسئلہ کا امام سے مروی ^{منقول}
ہونا ضروری نہیں مسائل فقہیہ امتداد زمانہ سے روز بروز نئے پیدا
ہوتے جاتے ہیں۔ پس اسکو قواعد و اصول مذہب سے مستخرج ہونا چاہئے
نہ کہ بعینہ وہ قول امام ہو۔

مذہب حنفی نقطہ قول امام کا نام نہیں محمد و ابو یوسف و زفر کی
تحقیقات پر بھی فتویٰ ہوتا ہے وہ بھی مذہب حنفی ہے اور کبھی متاخرین نے

جو تنقیدات کئے ہیں وہ معمول بہ ہوتا ہے وہ بھی مذہب خفی ہے اور کبھی
 دیگر ائمہ متبوعین کے فروعی مسائل پر ہمارے فقہا فتویٰ دیتے ہیں
 یا اسکو لا باس بہ کہہ دیتے ہیں۔ وہ سب مذہب خفی میں داخل ہیں۔
 ناظرین کتب خفیہ اسکو خوب سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا عبدالحی صاحب قدس سرہ العزیز
 سنی مشکور کے صفحہ ۶۶ میں فرماتے ہیں۔

لا یلزم تصویری کل من الفروع والجزئیات عن الائمة فالعلوم
 تنزیداً یوماً فیوماً بحسب اختلاف حوادث الامة۔ فما لم یظهر
 تصریحهم علی خلافہ یحکم بالجواز۔

شعائر اللہ

وَمَنْ يُعْظَمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَأَعْلَاهُ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کے لیے عظیم دلون کی پرہیز گاری میں داخل ہے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلیٰ و ارفع شعائر اللہ کو نہ
 ہو سکتا ہے۔ معالم حج و ہدایا و طواف کعبہ و سعی صفا و مروہ سب انھیں
 نے بتایا جو کچھ معالم دین جس نے پایا انھیں سے پایا۔ پس ان کی تعظیم
 اہم فرائض اسلامی سے ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث حجتہ اللہ
 الباقیہ میں فرماتے ہیں ۱۔ و معظم شعائر اللہ اربعۃ القراءات
 و الکعبۃ و النبی و الصلوۃ ص ۶۹ جلد اول یعنی قرآن و کعبہ و نبی
 اور نماز معظم شعائر اللہ سے ہیں اور یہی بزرگ اپنی کتاب الطائفۃ
 میں یوں فرماتے ہیں۔

و محبت شعائر اللہ عبارت از محبت قرآن و پیغمبر و کعبہ است
 محبت ہر چہ متنب باشد بخدا حتیٰ اولیاء اللہ نیز اس سے بیات
 معلوم ہوئی کہ اولیاء اللہ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں محقق دہلوی کی
 توضیح نہایت ہی مقول ہے اسلئے کہ شعائر شعیرہ کی جمع ہے جبکہ
 معنی لغوی علامتہ کے ہیں پس جسے دیکھ کر خدا یاد پڑے وہ خدا کی
 نشانی اور شعائر اللہ سے ہے۔

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور جس شے کا تعلق
آپ کے ہوا جس کا حق و لزوق آپ کے ساتھ ہوا ان کی عظمت تعظیم
شعائر اللہ میں داخل ہے۔

اسی مضمون کو جناب مولوی اسماعیل شہید مرحوم اپنی کتاب
صراط مستقیم کے باب اول میں کیا خوب انداز سے فرماتے ہیں -
دائرہ فروع حب منعم است تعظیم شعائر یعنی امور کیہ بآن مناسبہ
خاصہ میدان بحثیکہ ذہن کسے کہ واقف بآن مناسبہ باشد
از ان امور بان منعم انتقال می کند مثل تعظیم نام او و کلام او و لباس
و سلاح او حتی کہ مرکب او و مسکن او الخ۔

اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کہ شعائر کی تعظیم بھی عین محبت منعم حقیقی تعالیٰ شانہ کی ہے۔ تو گویا
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام و کلام و لباس و سلاح و مرکب و مسکن
و مولد و مقدر ہر ایک شے کی تعظیم عین آپ کی محبت و تعظیم ہے حقیقت
میں خدائے رب العزت کی تعظیم ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ
آپ کے اہلبیت و صحابہ اور انکی چیزوں کی بھی تعظیم گویا خدا و رسول کی
تعظیم ہے اور انکے شعائر کی توہین و تخریب گویا خدا و رسول کی
الہانت ہے۔

جناب مولانا موصوف نے اسی کتاب صراط مستقیم میں یہاں لکھا ہے
 یہ دو شعر بھی لکھے ہیں -
 نازم بحکم چشم خود کہ جمال تو دیدہ است -

انتم بیائے خود کہ بکویت رسیدہ است
 ہر دم ہزار ہوسہ نغمہ دست خویش را
 کو دامن گرفتہ سویم کشیدہ است -

مولانا موصوف کا یہ ذوق شوق کوئی نیا مضمون نہیں ہے ہمیشہ سے
 علماء محدثین ہی کہتے آتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
 تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ حضرت کی تمام چیزوں کی تعظیم کی جائے جو تھے
 حضرت کی طرف منسوب ہو اسکی بھی تعظیم کی جائے حضرت کے مشاہد
 حضرت کے مساجد حضرت کی پیدائش کی جگہ حضرت کے رہنے کا
 مکان وغیرہ وغیرہ سب واجب التعظیم ہیں ان جگہوں کی حاضری
 اور پھر وہاں سے حصول برکت سب محبت و ایمان کی دلیل ہے -
 شفاء قاضی عیاض اور اسکے شاہجہان ملا علی قاری محدث یون ارشاد
 فرماتے ہیں - ومن اعظامہ صلی اللہ علیہ وسلم و اکبارہ

اعظام جمیع اشیائہم والمراد جمیع ما ینسب الیہ بعین
 بہ صلی اللہ علیہ وسلم و اکرام مشاہدہ - ای مواضعہ

التي حضرها او نزل بها وامكنت اى مساجده في مكة وكبيت
 خديجة رضى الله عنهما مبط الوحي ودار الارقم بن الارقم
 وغار حراء وثور مولد ومن المدينة مسجدا وبيوتا
 ومواطنه الخ جلد دوم صفحہ -

ناظرین کرام! یہ اَوَّل ہین علماء محمد ثین و عشاق صادقین حضرت
 سید المرسلین کے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر رائے براعتقاد نجدی
 کہ ان چیزوں کی تعظیم کو بالقطع کفر و شرک و بدعت بتاتا ہے اور ایسے
 آثار متبرکہ کہ قدیمہ کے ہوم و بربادی کی ترغیب دیتا ہے۔
 اور دامصیبتاہ کہ ہندوستان میں بھی اسکے متبعین ایسے موجود
 ہیں جو ان آثار متبرکہ کو کبھی استحان اور کبھی بت کہتے ہیں اور انکی
 عظمت کرنے والوں کو قہر پرست موی پرست اور لکڑی و بانس اور
 چھپر کا پوجنے والا بتایا جاتا ہے اور جب ہم مسلمان اسپر فریاد و فغان
 کرتے ہیں تو رہبران ملک کی طرف سے خموش خموش کی صدا بلند
 ہوتی ہے۔ اور ان دریدہ دہنوں کی گستاخوں کو انکی ذاتی رائے
 ککرالدا جاتا ہے۔ خالی اللہ المشتکی۔

اور ایک نئی وجہ شعاير رسول کے تعظیم نہ کرنے کی یہ بھی بتائی جاتی ہے
 کہ شعاير و آثار صحیح نہیں ہیں غلط ہیں۔

افسوس یہ آجکل کے علماء ہین اور ایک وہ اگلے علماء محدثین
 تھے جو مجرد نسبت کے لحاظ سے ان آثار کی زیارت و تعظیم کرتے
 تھے دیکھو مولانا حافظ سندھی محدث اپنی کتاب **حیوة القلوب**
 فی زیارة المحبوب باب چودہ فصل ۳ میں مولانا رحمۃ اللہ
 سندھی محدث اور ملا علی قاریؒ کی عبارت کا خلاصہ یوں لکھتے ہیں
 مستحب است زیارہ مساجد و آبار و آثار کہ منسوب اند بسوے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر است کہ دانستہ شود عین آنہا یا بہت
 آنہا و تصریح کردہ اند باین استحباب علی الاطلاق جامعتی از حقیقہ طافہ
 از شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ۔ الی قولہ تعظیم ہر چیزے کہ مساس کردہ باشد
 بدست او یا پہلوئے او یا قدم او یا عضو یا زعمضا و ادبرابر است کہ صحیح گشتہ
 باشد نقل در ثبوت او یا انکہ موعود باشد در مردم پر و جدہ اشتہار بغیر
 ثبوت آن در اخبار و آثار انتہی مختصراً۔

اب انصاف کرنا چاہیے کہ ان آثار متبرکہ پر شہرت کا اعتبار
 کرنا کافی ہے۔ یا حد ثنا و عن عن کی بھی ضرورت ہے مولانا ابنی
 دار ارقم بن ارقم۔ مکان حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور مولانا طمہ و
 مساجد آثار کے متعلق کسی نے بھی نہیں کہا ہے کہ جعلی ہے بلکہ
 سب انکی صحت پر متفق ہیں اور انکی زیارت کو مستحب بتاتے ہیں دیکھو

ایضاح المناہک امام لوزی اور مناہک ملا علی قاری و تاریخ قطبی
حتیٰ کہ پیشوائے سحریت ابن تیمیہ وغیرہ بھی ان آثار متبرکہ کو
جعلی و فریبی نہیں کہتے۔ البتہ اپنے مذہبی قاعدہ سے انکی زیارت
کو حرام کہتے ہیں۔

ان مقامات متبرکہ کو غلط کہہ کر زیارت سے روکنا یہ فقط چودھویں
صدی کے مومنین کا نیا تاریخی اختراع ہے۔

اب ابن تیمیہ کے خیالات کو سنئے نواب صدیق حسن خان صاحب
مرحوم اپنی کتاب "رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق کے مت" ابن بن
تیمیہ سے یوں نقل کرتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں بجز مسجد حرام کے کسی
مسجد کی زیارت نہ کرنی چاہیے مثلاً مسجد صفا و مسجد ابوقبیس و نحو
ذالک من المساجد التي بنيت على آثار النبي صلى الله عليه
وسلم كمسجد المولد وغيرها فليس قصد شيء من ذالک
من السنة ولا استحبه احد من الائمة۔ بل هو بدعة
اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ابن تیمیہ ان آثار متبرکہ کو جعلی
نہیں کہتے ہیں۔

اب رہا انکا یہ کہنا کہ ائمہ سے کسی نے اسکو مستحب نہیں
بتایا۔ اور بعت ہے یہ انکا ارشاد محض یہی اجتہاد اور اقوال آثار سلف

سے بھری چشم پوشی ہی فی الجملہ اسکی تفصیل عرض کرتا ہوں۔
ائمہ تو پیچھے ہیں صحابہ کرام سے زیارت و تعظیم ایسے آثار
کی ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج کو تشریف لے جاتے تو مساجد
بین المدینہ والمکہ جو آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بنی ہوئی تھیں
ٹھرتے تھے اور وہاں نماز ادا کرتے تھے جن مقامات پر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تھے وہاں وہ بیٹھ جاتے تھے
(المکہ) جن درختوں کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے
اوسکو وہ اپنی سے سیچتے تھے یہ روایتیں صحاح و سنن و مسانید و معاجم
میں بکثرت موجود ہیں کیا علامہ بن تیمیہ نے صحیح بخاری بھی غور سے
نہیں پڑھی تھی اور کیا طبقات بن سعد کی یہ روایت بھی نظر سے
نگزری تھی۔ سہی بن عمرو واضعاً علی المنبر ایضاً
المسجد النبوی) ثم وضعها علی وجهہ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر کو لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ مسجد
نبوی کے ممبر پر رکھا اور پھر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیرا (شیر کا یہ)
اور انھیں وجوہات و روایات کی بنا پر حضرت امام احمد بن حنبل سے
بوسہ ممبر و بوسہ قبر نبوی حصول برکت کیلئے منقول ہے۔

سنہودی و فاروقی جلد ۲ ص ۲۲۲ میں فرماتے ہیں۔

قال العزفي كتاب العلل والسوالات لعبد الله بن احمد
عن ابيه رواية على بن الصوف قال عبد الله سالت ابي عن الرجل
يمس منير رسول الله صلعم ويتبرك جسمه ويقبله ويفعل بالقبور
مثل ذلك رجاء ثواب الله تعالى قال لا بأس به۔

یعنی غریب جماعہ فرماتے ہیں کتاب العلل علیہ شد ابن احمد بن حنبل
میں ہو کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ اگر کوئی آدمی قبر
کو مس کرے یا اسے چومے بنیت تبرک یا قبر مبارک کو بوسہ دے نیت
ثواب۔ تو آپ نے فرمایا کچھ مصائقہ نہیں۔

حضرات! امام احمد بن حنبل باتباع علیہ شد بن عمرو دیگر صحابہ کرام
آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو اس قدر عظمت کرتی ہیں اور محمد
بن علیہ اباب جو اپنی آپ کو حنبلی کہتا ہے وہ اس تعظیم و بوسہ قبر کو کفر و شرک
کہتا ہے۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ حنبلیت کا دعویٰ محض افراہیہ ابن
علیہ اباب درحقیقت اپنے اتانیم ثلثہ ابن تیمیہ وابن قیم وابن علیہ اباب
کے مقلد و غاشیہ پر داروں میں ہے۔ اس لئے کہ اول من قاس تقبیل
القبور علی عبادۃ الاصنام هو ابن تیمیہ ومن یحذو حذوہ
فی تکفیر العلماء الکرام۔

اور اس بوسہ قبر میں علماء محدثین و نقاد متبحرین نے بار بار انکو ذکر
دی ہے اور امام احمد کو مل علماء ابن تیمیہ کے سامنے پیش کیا گیا ہے مگر وہ اپنی
مذہب سے نہ ہٹے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۳
صفحہ ۶۰۷ میں فرماتے ہیں۔

میرے استاد علامہ حافظ شیخ زین عاتقی محدث جلیل لقد
ارشاد فرماتے ہیں :- واخبرنی المحافظ ابو سعید بن العلاء
قال رايت فی کلام احمد بن حنبل فی جزء قدیم علی خط
ابن ناصر وغیرہ من الحفاظ ان الامام احمد سُئِلَ عن
تقبیل قبر النبی صلعم وتقبیل منبره فقال لا باس بذلک
فامرینا کہ للشیخ ابن تیمیہ فصارت یجب من ذلک ویقول عجبت
احمد عندی جلیل یقولہ هذا کلامہ او معنی کلامہ قال
وای عجبت فی ذلک وقد رُئِیَا عن الامام انه غَسَلَ فمبصاً
للساقي وشرب الماء الذی غسله به واذا کان هذا تعظیمه
لاهل العلم فکیف بمقادیر الصحابة - وکیف بانار الانبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام وما احسن ما قال مجنون لیلی۔

امر علی الدیار دیا لیلی اقبل ذا الجدار وذا الجدار

و صاحب الدیار شغفت قلبی و لکن حب من سکت الدیار
 اور یہ مذاکرہ و مکالمہ اس قدر مشہور ہے کہ علامہ مقرئ مالکی نے
 اپنی کتاب "فتح المتعال" بصفۃ النعال میں بھی بجنسہ اسکو نقل کیا ہے
 صفحہ ۸ نسخہ قلمی لائبریری پٹنہ۔

اور میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ حافظ ابن ناصر خلیہ دستخط اس فتویٰ
 امام احمد پر تھے۔ یہ بزرگ اکابر خالیہ اور استاد ابن جوزی محدث ہیں۔
 (تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۸۲) دیکھو۔

اور علامہ مقرئ مالکی نے اس نقل مذاکرہ کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ
 امام احمد کا یہ قول اس روایت سے ماخوذ ہے جسے وہ مسند میں روایت
 کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابو ایوب انصاری نے قبر مبارک حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم پر اپنا منہ رکھا تو مردان نے انکی گردن پکڑ لی۔ انھوں نے
 فرمایا میں پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں جسند راقب کے پاس آیا ہوں۔
 یہ روایت مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۳ میں ہے۔ اور محدثین اسکو
 حسن بتاتے ہیں۔ خلاصۃ الوفا ص ۶۴ رواہ احمد بسند حسن۔ اور علامہ
 محدث ہبشی نے صحیح الزوائد میں اسکو رواۃ کو پرکھ لیا ہے۔ اور باب یون
 قائم کیا ہے باب وضع الوجه علی قبر النبی صلعم۔ اور سنہودی
 و علامہ ابن حجر مکی و امام سبکی نے بھی اس حدیث کے طرق کو بیان کیا ہے

در نظم و دقار الوفا و شقاۃ السقام و غیرہا و لیکن چاہیے۔

ابن تیمیہ بحر غلطی کہلاتے ہیں۔ بحر فکر میں غوطہ لگا کر اپنی کتاب

صراط مستقیم میں یوں ابھرے۔

قال ابو بکر الاثرم قلت لابی عبد اللہ احمد بن حنبل قبح

النبی صلعم یمسح بہ قال ما اعرف هذا۔ یعنی ابو بکر بن

اثرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ حضور صلعم کی قبر مبارک کا

چھونا درست ہے آپ نے فرمایا میں اسے نہیں جانتا۔

ابن تیمیہ اثرم سے ۳-۴ سو برس بعد تو عالم ظہور میں آئے مگر

بلا سند اثرم کا قول پیش کرتے ہیں گویا اسے اثرم عالم منام و خیال میں

یہ کہ گئے ہیں اور اندھی تقلید کو خدا غارت کرے ابن قیم اغاثۃ اللہ تعالیٰ

میں اور علامہ شاتم فلکی اپنی کتاب صائم منکی میں اسی قول بلا سند کو بار بار

اعادہ کرتی ہیں اور اسی طریقہ افکیہ کے مجدد محمد بن عبد الوہاب اور ان کے

ورایات ما اعرف هذا سے بوسہ قبر کا کفر و شرک ہونا ثابت کرتے ہیں

قالی اللہ المشتکی من صیحاتہم و اعوذ باللہ من ہمتہم و لہم اثم

حضرات۔ امام احمد کا وہ قول جو ان کے صاحبزادہ کے کتاب العلل سے

مستند ہو اور حفاظ حدیث امیہ خالبہ کی تصحیح اس پر ہے کیا اس کا مقابلہ قول

بلا سند سے ہو سکتا ہے۔

لا یقولہ الامن کان فی عقلہ شیء او کان سیعی العقل فانہم
 اور اگر ہم اس قول بلا سند کو مان بھی لیں تو ائمہ نجدیہ کے شرک و کفر کا
 دعویٰ اس سے کیونکر ثابت ہوا امام احمد تو فرماتے ہیں۔ ما اعرف هذا۔
 اسکے معنی کہنا کہ یہ شرک ہے۔ عربی زبان کا تو یہ ترجمہ ہو نہیں سکتا اور نجدی
 نبی و قسیمی زبان سے امام احمد واقف نہ تھے۔ اسلئے کہ یہ زبان ان کے
 پاسو برس کے بعد پیدا ہوئی ہے جسکی بدعت سیئہ ہونے میں کوئی شک نہیں
 الغرض بوسہ قبر کو کفر و شرک کہنا محض خرافات ہے۔ ائمہ فقہائے اربعہ
 سے جنگو عبد اللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کے آثار پہونچ گئے ہیں وہ اسکو
 لباس بہہ کہتے ہیں۔ اور جنگو یہ آثار نہیں پہونچے ہیں وہ اسے مکروہ
 کہتے ہیں وکل وجہۃ ہو مولیٰھا۔

خفیہ میں حضرت ابو حنیفہ و محمد و ابو یوسف وغیرہم سے کوئی قول
 نفیاً یا اثباتاً منقول نہیں۔ لیکن اصول خفیہ میں چونکہ آثار صحابہ پہونچے ہیں
 اعتنا میں اسلئے ایک جماعت اسمین کوئی کراہت نہیں سمجھتی اور جن کو
 ان آثار سے خبر نہیں وہ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ ہمارے نقادے
 متاخرین میں متباخ سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔ معاذ اللہ
 کفر و شرک کسی نے نہیں کہا۔ کفر و شرک قبیح لعینہ ہے نہ وہ مامور ہو تا ہے
 نہ اسکے فعل و جواز کو کبھی کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے۔ اور آثار صحابہ کو کفر و

شکر کہنا گستاخانہ الحاد ہے۔

اب میں پھر صلہ محبت شعرا اللہ تعظیم انار بنی صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ذکر کرتا ہوں۔

صحابہ کرام حضرت صلعم کی ہر چیز سے برکت حاصل کرتے تھے آپ کے لعاب دہن وغسالہ و پسینہ وغیرہ سب متبرک سمجھے جاتے تھے۔ صحاح سنن ابن روایات سے ملو ہیں۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی کتاب الجامع الصغیر میں ایک باب قائم کیا ہے جو جلد اول صفحہ ۴۳۔

باب ما ذکر من درج النبی صلعم وعصاه و سیفہ و قد خاتمہ وما استعمل الخلفاء بعدہ من ذلک مما لحدیثہ و قمتہ۔ و من شعرة و فعلہ و انیتہ مما یتبرک فیہ صحابہ و غیرہم بعد وفاتہ صلعم۔

یعنی اس باب میں حضرت کی زرہ عصا تلوار، پیالہ اور مہر کا ذکر ہے اور جو خلفائے حضرت کے بعد استعمال کیا اور وہ بطور ترک تقسیم نہوا۔ اور اس میں مذکور ہے حضرت کے ہوئے مبارک اور غلین شریفین اور برین کا جس سے صحابہ اور ان کے بعد کے لوگ تبرک حاصل کرتے تھے۔

یہ تبرکات صحابہ بحفاظت تمام نہایت ہی عظمت سے اپنی پاس رکھتے تھے اور گونگوا سکی زیارت کراتے تھے۔ موسیٰ مبارک اور کپڑے

پانی میں ڈالکر اسکا غسل لوگوں کو پلاتے اور اس ذریعے سے صحت و
شفاء خدا سے جا رہے تھے۔

حضرت ام المومنین عائشہؓ کے پاس حضرت کالبادہؓ تھا وہ
لوگوں کو زیارت کراتی تھیں۔ اور فرماتیں کہ حضور کے انتقال کے
وقت ہی زیب تن تھا۔ الفاظ بخاری یہ ہیں۔

اخرجت الينا عايشة كساء ملبدة - صفحہ ۲۳۸ بخاری
اور حضرت انس کے پاس نعلین شریفین تھیں اسکی بھی لوگوں کو
زیارت کراتے اور فرماتے یہ حضور کے نعلین ہیں۔

اخرج الينا انس نعلين جرداوين صفحہ ۲۳۸
اور حضرت عبداللہ بن سلام کے پاس حضور صلعم کا ایک قح یعنی
پیالہ تھا وہ اس میں لوگوں کو برکت کیلئے پانی پلاتے تھے۔

قال ابو بھرہ ود قال لی عبد اللہ بن سلام الا اسقیات فی
قلح شرب النبی صلعم فیہ ۹ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۲

پھر اس پیالہ کو عمر بن عبدالعزیز نے تبرک کیلئے رکھ لیا۔
اور حضرت ام المومنین ام سلمہ کے پاس حضرت کی موئے مبارک تھے
جب کوئی بیمار ہوتا تو وہ اسے پانی میں ڈالکر اسکا غسل پلاتیں شفاء
بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۵

عینی شرح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۴ میں اسکی تفصیل یوں فرماتے
ہیں وکان الناس عند مرضهم یتبرکون بہا فی شربون
الماء الذی فیہ الشعر فیصل لہ الشفا۔

الغرض جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب چیزیں متبرک
ہیں پھر حضور کی قبر مبارک کیون متبرک نہوگی ضرور وہ بھی برکت بخش
و شفا بخش ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو ایوب نے اسپر اپنا منہ رکھا اور مردان سے
کہا کہ میں پتھر کے پاس تھوڑا ہی آیا ہوں گویا اس قبر کا قرب حقیقت
قرب رسول تھا۔ اور گویا وہ حضرت کے قدم پر اپنا منہ رکھے
ہوئے تھے۔ اور آئین منکر سے منقول ہے کہ جب انھیں مرض صمات
ہو جاتا تو وہ قبر مبارک پر اپنا منہ رکھتے اور فرماتے اس ذریعہ سے
طلب شفا کرتا ہوں۔

اور کوئی تعجب نہیں جب صحابہ کے قبور سے استسقاء و استسفا
کیا گیا تو پھر حضور کے بیان بطریق اولی ایسا ہونا چاہیے۔
امام شافعی نے امام ابی حنیفہ کی قبر سے جب تبرک چاہا اور انکے توسط
سے قضای حاجات چاہی تو پھر سید القبور سے کیون نچا ہا جائے گا۔
اور جب بقول حافظ علانی۔ (استاذ حافظ ذہبی) امام شافعی

کی قمیص کو دھو کر امام احمد نے اسکا غسلہ پیا تو پھر صحابہ البریہ کے برکات کے ساتھ ایسی عظمت نہ کیونکہ کیا ہے۔

اسی سلسلہ میں امام الدین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری کے مزار اقدس کا واقعہ بھی قابل غور ہے۔ آپ کے حالات میں تمام شرح بخاری و ثلقات محدثین و مورخین لکھتے ہیں کہ انکے قبر مبارک سے خوشبو آ کر تھی اور عوام نبوت تبرک اسکی مٹی لجا با کرتے تھے۔ امام موصوف کی رحلت ۲۵۶ھ میں ہوئی تھی عباسی سلطنت کا زمانہ

تھا حکمہ تضاد احتساب سب موجود تھے مگر کسی نے بھی لوگوں کے اس فعل احتساب نہ کیا یہ صاف دلیل ہے کہ یہ عمل نکاح مستحسن اور قابل تقلید تھا اور یہی سلف صالحین کا دستور رہا مگر دوائے برجال پیشوائے نجدیت کے انکے نزدیک قبر پر ہاتھ رکھنا ہی شرک و کفر و بدعت ہے۔ ایک اگلے زمانے کے محدثین تھے اور ایک ہمارے نوخیز مدعیان الحدیث ہیں اور قانع بیت

نواب صدیق حسن خانؒ بھی اس واقعہ قبر بخاری کا ذکر اتحات القبلا میں فرماتے ہیں اور اسکے بدعت ہونے کے متعلق کوئی حکم صادر نہیں فرماتے اسطرح امام نووی کے دار الحدیث میں جب امام سبکی تشریف لیگے تھے تو اپنا رخسار دہان کی سرزمین پر رکھتے اور یہ شعر پڑھتے ۵

لعلی ان امسّی بجزرہ جہی مکاتئمتہ قدم النوادی
اگلے محدثین کے یہ ادواب تھے۔

ضروری گزارش

اس رسالہ سے فراغت ہوئی ہی تھی کہ بعض احباب کا سخت اصرار ہوا کہ اسی رسالہ میں "بنی اعلیٰ القبور" کی بھی تھوڑی بحث لکھ ڈالو۔ ہر چیزِ خاطر مضامین کا عذر پیش کیا لیکن سب سے سودھڑا۔ آخر کار جب قدر حاصل اپنے مضامین اخبارات میں شائع ہو چکے تھے انھیں کیا کیا جن میں سے بعض کے تلفت ہو جانے کا بہت افسوس ہوا۔ الغرض جو کچھ خاص اپنے مضامین دستیاب ہو سکے انکو شروع سے آخر تک پڑھنے کے بعد مشرکات کو علیحدہ کر دیا۔ مشتبہات کو نکال دیا بعض ضروری معلومات (مثلاً ترجمہ وغیرہ) کا اضافہ کیا اور ان سب کو ملا کر ایک ہی مضمون کی صورت قائم کر دی جو ناظرین کے پیش نظر ہے۔ یہ کام اس قدر عجلت کے ساتھ ہوا ہے کہ گویا نظر ثانی کا بھی موقع نہ مل سکا۔

لہذا بعض غلطیوں کا رہ جانا بعید از قیاس نہیں۔

بناء علی القبر

آجکل اخبار و نین بنا علی القبر کا مسئلہ بہت شائع و ذائع ہو رہا ہے
ایک طرف تو پاسداران ملت نجدیہ اسے حرام اور وجہ الانہدام بتاتے
ہیں اور دوسری طرف ایک جماعت کثیرہ اسے مستحسن قرار دیتی ہے اور
اسکے انہدام کو اہل قبور کی اہانت سمجھتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ
بنا علی القبر کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ انکے دلائل کے جواب روایات مذہبی
اور حکایات تاریخی سے دیدن تاکہ وہ اپنے شبہ کا خود ہی ازالہ کریں۔
سب سے پہلے جب ہم قرآن مجید پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اسکے ہر ورق
بلکہ ہر سطر کو "تحریم بنا علی القبر" سے خالی پاتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی آیتوں
سے آثار قدیمہ و متبرکہ کی تعظیم و تکریم ترشح ہوتی ہے جس کا ذکر تشریح کیا ہے
اپنے رسالہ "تلقین حق" میں کر چکا ہوں۔ لہذا اب ہمیں حدیث رسول اور
سنت صحابہ کرام کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر یہاں بھی کچھ فیصلہ
نہ ہو سکے تو تابعین و تبع تابعین اور پھر فقہائے محققین کی طرف رجوع
کرنا چاہیے۔ اگر قرون اولیٰ ہی میں اس مسئلہ کا خاتمہ کر دیا جائے تو غالباً
اور نیچے آنے کی ضرورت نہ ہوگی لیکن نہیں میں چاہتا کہ جو جس خیال کا

وہ اسی خیال سے دیکھے۔ قرآن سے، حدیث سے، صحابہ کرام سے تابعین
و تبع تابعین سے اور فقہائے محققین سے، غرض یہ ہے کہ جس پہلو سے
چاہے دیکھ لے اور "بنا علی القبر" کے مسئلہ کی شرعی حیثیت اور اسکے
ہدم کی مذہبی نوعیت اسکے ذہن میں آجائے۔

اسکی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جتنی دلیلین آج تک "بنا
علی القبر" کے عدم جواز کی پیش کی گئی ہیں ان کا صحیح مفہوم سمجھا کر الگ الگ
جواب دے جائیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس صورت سے قطع نظر کر کے فقط
"بنا علی القبر" کے جواز کے دلائل پیش کر دئے جائیں جن میں ان کے
اعتراضات کا خود بخود جواب بھی ہو جائے اور جواب کے سوا اور براہین جواز
بھی معلوم ہو جائیں۔ میں نے سر دست عجلت میں ہی دوسری صورت اختیار
کی ہے جس میں اعتراضات کا جواب اور اسکے علاوہ اور دلائل بھر مسلک صحابہ
و تابعین و تبع تابعین و فقہائے محققین سب مختلط ہیں۔ البتہ اتنا
ضرور کیا ہے کہ بعض ان دلائل کے جواب علیحدہ علیحدہ مفصل دیدئے
گئے ہیں جن پر پرستار ان نجد کی تکفیر کا دار و مدار ہے۔

پہلی دلیل جو بنا علی القبر کو حرام بتانے والے حضرات پیش کرتے
ہیں یہ ہے کہ "لا یبنی علیہ" یعنی قبر پر کوئی عمارت نہ بنائی جائے
اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن جن وجوہ کی بنا پر

بنار علی القبر کو جائز کہنا صحیح ہے وہ یہ ہیں بنظر غور ملاحظہ ہوں۔

(۱) لاینبی علیہ السلام کا ایک واضح مفہوم رسالہ "ملقین حق" میں بیان
 کر دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر کے چاروں طرف کوئی عمارت یا کوئی
 مسجد نہ بنائی جائے بلکہ یہ مقصد ہے کہ نفس قبر پر کوئی عمارت یا مسجد
 نہ بنائی جائے۔ ورنہ آگے کے جملہ الفاظ میں اس کے بھی وہی معنی لینے چاہئیں
 یعنی لایقعد علیہ السلام کا مطلب یہ لینا چاہیے کہ قبر کے پاس بھی نہ بیٹھو۔ الخ
 پرستار ان نجد کا یہ ایک قدیم دستور ہے کہ اپنے مطلب کا لفظ
 ادا لیتے ہیں اور باقی کیسے نہشت ڈال دیتے ہیں۔ ایک نرگس جنوں نے کو لاقبوا
 مشرقاً الا سوتیہ کو قبروں کے زمین سے برابر کر دینے کی دلیل بنایا ہے
 انہی برگ نے قبل کے جملہ ان لاتدع تمنا لا الاطمستہ کا بالکل لحاظ
 نہیں کیا اور اپنے ایک ماہوار پرچہ میں تصویروں کے جواز کو طرح طرح
 سے ثابت کیا ہے۔ بہر حال وہی معنی لئے جائیں یا نہیں اختیار ہی
 اب بنار علی القبر کے بارے میں صحابہ کرام والہدیت اظہار و تابیین اخبار
 کے مذاہب تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔ مگر پہلے قبہ اور بنار کے معنی
 سمجھ لینا چاہیے۔ عینی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۹ میں لکھتے ہیں قال
 الجوہری القبة بالضم البناء والجمع قبة یعنی قبہ بنار کو کہتے ہیں اب
 رہے بناء کے معنی تو اسے ابن اثیر نے نہایت جلد اول صفحہ ۱۱۶ میں تحریر کر دیا

کہ۔۔ البناء واحد الانبیت وہی التي تسكنها العرب في الصحراء فمنها
الطراق والخباء والبناء والقبة والمضرب انتهى۔

غرض یہ ہے کہ ہر وہ شخص جن میں سکونت ہو بنا رہی۔ خواہ ٹھکانی ہو
یا کپڑے کی، پھونس کی ہو یا بال و پر کی لوسے کی ہو یا چرے کی اس معنی کہ
خوب ذہن نشین کر لینے کے بعد صحابہ کرام کے مذہب و مسالک اس
بارے میں بغور ملاحظہ ہوں۔

عینی محدث خفی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۹ میں تحریر فرماتے ہیں
قال ابن بطال ضربت القبة على الحسن وسكنت فيها وصليت
فيها فصارت كالمسجد واورج ذلك البخاري وليلا على الكراهة
وكرة احمد ان يضرب على لقبر فسطاطا وسمى ابراهيم مرة
ان لا تضربوا على فسطاطا وقال ابراهيم ضربة على قبر المرأة
افضل من ضربة على قبر الرجل۔ وضرب عمر رضي الله عنه على قبر
نرنيب بنت جحش قال ابن التين ومن كره ضربة على قبر
الرجل ابن عمر وابو سعيد وابن المسيب۔ وضربت عاتكة
على قبر اخيها اذ نزع ابن عمر وضربة محمد بن الحنفية على قبر
ابن عباس وقال ابن حبيب اراة في اليوم واليومين والمثلا
واسعا اذ اشيف من نيش او غيرة۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن بطل کی اس باطل شکن روایت سے حقیقت کے نقاب
 ہو گئی۔ صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور تابعین میں
 حضرت محمد بن حنفیہؓ اور فاطمہ بنت حسینؓ بنا علی القبر کے جواز کے
 قائل بلکہ فاعل ہیں۔ اور اگر اہل ہن کے قائل صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ
 بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور تابعین میں حضرت سعید ابن
 المسیبؓ ہیں جو شخص فن حدیث و رجال سے واقف ہے اور
 روایت کو ہاتھ سے نہیں دیتا وہ غیب سمجھ سکتا ہے کہ اس موقع اختلاف
 پر ترجیح کس طرف کے لوگوں کو دینی مناسب ہو۔

ان میں کرام! حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ ہی نہیں بلکہ حضرت
 امیر المومنین عثمان غنیؓ اور حضرت عقیل بن ابی طالبؓ بھی علیؓ سے بنا
 علی القبر کے جواز کے قائل ہیں۔ ذرا طبقات ابن سعد جلد ہفتم صفحہ ۸۰
 کی عبارت بغور ملاحظہ ہو۔

اخبرنا محمد بن عمر حد ثنا صالح بن جعفر عن محمد بن عقیبہ
 نعلبہ بن ابی مالک قال رایت یوم مات الحکم بن ابی العاص
 فی خلافة عثمان ضرب علی قبره فسطاط فی یوم صائف فکلم
 الناس فاکثروا فی الفسطاط فقال عثمان ما أسرع الناس الی
 الشراشبه بعضهم ببعض اُنشِد الله من حضر نشد فی

هل علمتم عمر بن الخطاب ضرب على قبر زئيب بنت حنظل
قال فهل سمعتم غائباً قالوا لا -

جس پر دے میں حقیقت روپوش تھی انجھ شد کہ اب وہ اٹھتا
جاتا ہے اور اس روایت نے حقیقت کا آئینہ سامنے لا کر رکھ دیا۔ سبحان
حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کا جبر کوئی عیب لگانے والا بھی
نہ تھا پورا پورا اتباع کرتے ہوئے قبر پر بناے فسطاط کی اور لوگوں کی میگوئیوں
پر فرمایا کہ لوگ شر کی جانب کس قدر جلد کھینچ آتے ہیں -

ابھی اس پر وہ حقائق کے چند تار باقی ہیں جس میں حقیقت مستور تھی
مگر ان تار بائے حاجب کو بھی علامہ منہودی محدث کی یہ عبارت باقی
نہیں رکھتی کہ وتر جمع بن شبہ تقدیرام حبیبہ نزوح النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ثعثری عن زید بن السائب قال اخبرني جدي
قال لما حضر عقيل بن ابي طالب رضي الله عنه في داره بمؤادق
على حجر منقوش مكتوب فيه قدام جدية بنت صخر بن حرب فدفن
عقيل البئر وبني عليه بيتاً فدخلت ذاك البيت فوايت فيه
ذالك القبر - (دیکھو ذکار الوفا جلد ۲ صفحہ ۹۸)

و حقیقت یہ روایت بھی ارباب فہم کیلئے ایک درس عبرت ہے
پہلی شے جو اس روایت سے ثابت ہوتی ہے وہ صحابہ کرام ہی کے وقت سے

کتابت علی القبر کا دستور ہوتا ہے (چنانچہ حضرت علیؓ کی آرامگاہ بھی بنیو
پتہ چلا تھا جو کسی مضمون میں لکھ چکا ہوں) دوسری بات جو یہ روایت
ثابت کرتی ہے۔ وہ صحابہ کرام کا بنا علی القبر کرنا اور قبر کو باقی دنیا میں کھنا
ہے۔ تیسرا امر جو اس سے مترشح ہوتا ہے وہ ایک تابعی کا زیارت
قبر کو جانا ہے۔

اب تمام ناظرین کرام دیانت و انصاف کا آئینہ سامنے
رکھ کر فرمائیں کہ اگر آپ کے سامنے دو جماعتیں ہوں جسکی ایک جماعت میں
امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ
عنہا امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ سیدنا حضرت عقیل بن ابی طالب
رضی اللہ عنہما ہوں اور دوسری جماعت میں سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ
اور سیدنا حضرت ابوسعید خدریؓ ہوں تو کس جماعت کی رائے آپ کے
خیال میں زیادہ وزن رکھے گی؟

یہ طبقہ صحابہ کرام تھا۔ اب ان اجل تابعین کے مسلک پر غور
کیجئے جو اہلبیت رسولؐ ہونے کا بھی شرف رکھتے ہیں۔ آپ کو ان روایات
مذکورہ سے خوب معلوم ہو چکا ہو گا کہ اس طبقہ ثانیہ میں محمد بن حنفیہؓ اور
فاطمہ بنت حسینؓ جواز بنا علی القبر کے قائل و فاعل ہیں اور عدم جواز
بنا کا اس طبقہ اہلبیت میں کوئی قائل نہیں اب دیگر تابعین کرام کے

زہب بن زبیر غورڈالے تو معلوم ہوگا کہ یہ دو تین صاف بتا رہی ہیں کہ
 حضرت ابن السائب رضی اللہ عنہما جو ان بنی علی القبور کے قائل ہیں اور حضرت
 ابن السائب فقط اسکی کراہیت کے اور تحریم کا کوئی بھی ان میں قائل نہیں
 اب ان امور کے پیش کرنے کے بعد فیصلہ دیانت داروں اور منصف
 مزاجوں کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اسے خواہ روا و جائز قرار دیں یا شرک و
 کفر کہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ان روایات صریحہ کے بعد بھی اگر کوئی بنا
 علی القبور کو بالکل غیر جائز اور قطعی حرام کہے اور نہی بنا کی حدیث کو غایت
 الامر کہ اہم تنزیہی پر محمول نہ کرے اور اسے مصلحت وقت کیلئے نہ مانتے
 ہوئے قطعاً تحریمی قرار دے تو اس سے بڑھ کر دریدہ دہن، گستاخ
 بے ادب اور مجذوب کون ہو سکتا ہے اور یہ اسلئے کہتا ہوں وہ شخص ایسے
 جلیل القدر صحابہ کرام البیت رسول اور تابعین کبار (رضوان اللہ
 تعالیٰ علیہم اجمعین) پر ارتکاب فعل حرام کا الزام لگاتا ہے (معاذ اللہ من
 ذلک) یا عیاذ باللہ انھیں نہی بنا کی حدیث سمجھنے سے قاصر سمجھتا ہے
 انھیں ذالہ اللہ ایسے اور اتنے صحابہ کرام و اہل بیت اطہار و تابعین کبار سے
 کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا کوئی عقل سلیم تسلیم کر سکتی ہے؟
 نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث ”کَلَّا قَبْرًا مَثْوًیًّا“
 کا مفہوم اگر سہی ہو کہ دنیا بھر کے تمام قبور بلا امتیاز مٹا کر زمین سے برابر

کر دے جائیں تو عقیل بن ابی طالبؓ محمد بن علی بن ابی طالبؓ اور فاطمہ بنت حسین بن علیؓ کیا اسکا یہی مفہوم سمجھنے سے معاذ اللہ قاصر رہے؟ اگر اسکا یہی مفہوم ہوتا جیسا کہ سمجھا گیا ہے تو سب سے پہلے اسے محمد بن حنفیہؓ اور فاطمہ بنت حسینؓ اور عقیل بن ابی طالبؓ سمجھتے کیونکہ اہل البیت ادری بانیہ۔ لیکن کسی نے بھی اسکا یہ مفہوم نہ پیدا کیا جو آج کل حامیان نجد پیدا کر رہے ہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ جب انھیں ان احادیث کا صحیح مفہوم سمجھاؤ تو فوراً ہی گڑا کر اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ تم الفاظ ظاہرہ حدیث کی تاویل کرتے ہو۔ لیکن جب انہی کے سامنے حدیث نجد "هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان" پیش کرو تو تاویل حدیث کو میدان میں سب سے آگے دوڑنے والے یہی ہوتے ہیں۔ فاعتبروا اولی الامر اور سخت تعجب تو اس پر ہے کہ جس سرزمین کے متعلق نص قطعی سے ثابت ہے کہ وہاں کے لوگوں میں "غلظ القلوب والجفاء" ہے وہاں لوگ تو سچے مومن اور بچے متبع سنت کے جائیں اور جن خطہ زمین کے بارے میں قطعی نص یہ کہہ رہی ہو کہ وہاں کے لوگ صاحب ایمان ہیں انھیں مشرک و کافر کہا جائے۔ افسوس!

پڑھو مسلم شریف کی یہ حدیث "عن جابر قال قال رسول الله ﷺ

علیہ وسلم غلط القلوب والجفائف المشرق والایمان فی اهل
 الجہاد۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا کہ ”سنگدلی اور باطل مشرق (یعنی نجد) میں اور ایمان اہل حجاز میں ہو
 اسکے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مشرق سے مراد یقیناً قطعاً سرزمین
 نجد ہی ہو اسلئے کہ امام بخاریؒ نے جہان ”المفتنة من قبل المشرق“ کا
 باب باندھا ہے وہاں ذیل باب میں متعدد حدیثیں لائے ہیں کجی حدیث
 میں مشرق کا لفظ ہے اور کسی میں لفظ نجد ہے۔ اگر باب فہم اور اصحاب
 اصول حدیث وفقہ خوب سمجھتے ہیں کہ لفظ نجد اس موقع پر لفظ مشرق
 کے اجمال کی تفصیل اور اسکا بیان ہونے کے سوا اور کچھ نہیں الاحادیث
 یعنی بعضہا بعضاً۔ والمطلق یجمل علی المقید۔ یہ قاعدے اصول
 حدیث وفقہ میں مسلم ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جہان کے لوگ ثقافت و
 سنگدلی اور باطل پرستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اسکے حامی تمام تر
 پرستاران ملت نجدیہ اور جہان کے لوگ اصحاب ایمان ہیں وہاں احترام
 کرنے والے ہم اور ہماری جماعت ہو۔ ولکل وجهة هو موليها۔
 فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر۔

دوسری دلیل میں وہ لوگ حضرت علیؑ کی وہ مرفوع حدیث
 ”ولا تقبروا مشرقاً الا سوتاً“ پیش کرتے ہیں جبکہ مقصد یہ بتاتے ہیں کہ

کہ تمام قبروں کو زمین سے برابر کر دینا چاہیے۔ چہ جائیکہ قبہ جن امور کی بنا پر یہ حدیث قابل قبول نہیں وہ یہ ہیں۔ بغور ملاحظہ ہوں۔

(۱) یہ حکم عمومی یعنی تمام قبور کے متعلق نہیں بلکہ فقط مشرکین و کفار یا یہود و نصاریٰ کے قبور کے متعلق ہے۔ جولاٹ کی طرح بہت بلند قبر بناتے تھے ایسے اس حدیث کی شرح میں مجمع البحار صفحہ ۶۱ میں نہایت سے منقول ہے۔ واما ہوا و ارتفاع کثیر تفعل الجاہلیۃ۔ اور اگر لمیا میٹ کے معنی لئے جائیں تو سرور عالمین صلعم کے بعد سے برابر قبور کے بلند ہونے کا رواج نہ ہوتا۔ آنحضرت صلعم کی قبر اکثریت محدثین مستم (یعنی مثل کوہان شتر) تھی۔ اور صحابہ راشدین یا کسی نے بھی اسے زمین سے برابر نہیں کیا۔ سید الانبیاء کی تجہیز و تکفین و تدفین کے متولی حضرت علیؓ وغیرہ تھے پھر اگر حکم عمومی ہوتا تو حضرت علیؓ اسکے خلاف کرنے کی کیوں جرأت فرماتے اور سید المرسلینؐ کی قبر مبارک کو اس حکم عمومی سے کس اصول کی بناء پر مستثنیٰ کرتے؟

(۲) صلح و سنن میں صاف مذکور ہے کہ رسول خدا صلعم نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر پر اپنے دست مبارک سے ایک بڑا پتھر وضع فرمایا تھا۔ صحیح بخاری (صفحہ ۱۸۲) میں یہاں تک لکھا ہے کہ اسکی بلندی کا یہ حال تھا کہ اُسے پہنچنا نہ جانے والا شخص سب سے زیادہ جو غمزد

سمجھا جاتا تھا۔ کیا حضرت علیؓ کے حدیث بیان فرمانے اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر اونچی چھوڑ دے جانے میں تعارض نہیں؟
 (۳) اگر قبور کے زمین سے برابر کر دے جانے پر عمل صحابہؓ ہوتا تو کسی قبر کا نشان نہ باقی رہتا۔ لیکن عقل یہ بتاتی ہے کہ بہترے قبور کا نشان باقی تھا جسکی شناخت صحابہؓ خوب کرتے تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ وصیت فرماتے تھے کہ مجھے فلاں کی قبر کے پاس دفن کرنا۔

(۴) طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے "کان فاطمة تاتی قبر حمزة قریۃً وتصلیٰ" یعنی حضرت فاطمہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی قبر کے پاس (غالباً بلکہ یقیناً بقصد زیارت) جایا کرتی تھیں اور اسکی ہمت و درستگی فرماتیں۔ اگر قبر زمین سے برابر ہی کر دیجائی تو پھر اسکی درستگی و مرمت کیا معنی رکھتی ہے؟

ان البتہ امتداد زمانہ سے کبھی بعض قبروں کی شناخت کہہ سکی ہے دشوار ہو جاتی ہے۔ لیکن جو لوگ مہتمم بالشان ہوتے ہیں ایسی شناخت قبر کا براعن کا برہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ شہدائے احد میں حضرت امیر حمزہؓ و عبداللہ بن جحش کی قبروں کو زائرین ہمیشہ سے پہچانتے رہے ہیں سیرت کی معتبر کتاب ہجۃ الحافل میں لکھا ہے: "ولا یعلم قبور شہداء اُحد معینا غیر قبرہما وعلیہما قبة عالیة" یعنی شہدائے

احد میں کسی کی تخصیص کے ساتھ نہیں معلوم ہوتی سوا قبر حضرت حمزہؓ
وعبداللہ بن جحشؓ کے اور ان دونوں قبروں پر بلند قبہ ہے۔ اسکے علاوہ
اور ایسی صد ہا مثالیں مل سکتی ہیں۔

بہر حال اگر وہ معنی جو لایینی علیہ کے بتائے گئے ہیں تسلیم نہ کئے
جاتے تو حسب ذیل امور پر غور کیا جائے۔

چشم ابدی و استمراری یا تعبیدی نہیں بلکہ مبنی بر مصالح زمانہ ہے
اور مصالح ہمیشہ تغیرات زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں۔ ناداری و افلاس کے
وقت احکام اور ہوتے ہیں۔ اور دولت مندی و ثروت کے وقت اور کبھی
سادگی اور کفایت شعاری میں مصلحت ہے۔ اور کبھی شان و شوکت کے
اظہار میں۔ "انما الاعمال بالنیات" ورنہ کوئی بتائے کہ صحیح بخاری
اور دیگر صحاح و سنن اور مسانید و معاجم میں جب مسجدوں کو طول دینے،
گنج کرنے اور سونے و چاندی سے مزخرف کرنے کی ممانعت صریحہ موجود
ہے تو پھر آج تمام دنیا کی مسجدیں کیوں بختہ بنائی جاتی ہیں۔ انگو کیوں
مزین کیا جاتا ہے۔ اور وہ کیوں بلند و طویل بنائی جاتی ہیں۔ مگر
نہیں حضرت عثمانؓ کے زمانہ کی دولت مندی نے ان تمام باتوں کو جائز
قرار دیا اور صحابہ کرام کو ماننا ہی پڑا۔
یہی وہ اصول تغیر مصالح ہے جسے بہترے علمائے ہمت نے

بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں: "وهو قول أبي حنيفة اذا وقع ذلك على سبيل التعظيم للمساجد" امام ابو حنیفہؒ بھی مسجد کے ان تکلفات کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ اس کا مقصد تعظیم مساجد ہو۔

نیز امام محمدؒ جو مساجد کی مالیت تخصیص و تزخرف کی حدیث سے خوب واقف تھے۔ اپنی کتاب میں انہی مصالح زمانہ یعنی شوکت اسلام غمیشہ کا لحاظ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "ولا بأس بان ينقش المسجد بالجص والمساجد وماء الذهب" یعنی مسجد کا نقش و نگار اگر گچ یا سونے کے پانی سے کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اور عینی محدث حنفی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۹ میں کیا خوب علت جواز نقل فرماتے ہیں کہ:-

قال ابن المنير لما شيد الناس بيوتهم وبنوا خرفوها فانتدب ذلك ان يصنع ذلك بالمساجد صوتا لها على استهانة يعني ابن منير نے یہ کہا کہ جب لوگوں نے اپنے مکانات طرح طرح سے آراستہ کرنا شروع کیے تو مساجد کو اسی سادگی پر چھوڑ دینا انکی اہانت تھی لہذا مساجد کی آراستگی بھی جائز قرار دیدی گئی۔ اور بحسنہ یہی مجمع البیہ جلد اول صفحہ ۵۹ میں بھی ہے۔

اور اسی اصول مصالح کو حضرت شیخ محدث عبدالحق دہلوی نے نہایت خوبی سے یوں ظاہر فرمایا ہے : "وباء اعمال و افعال و اوضاع" کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ در آخر زمان از مستحسانات گشتہ یعنی بہترے اعمال و افعال و اوضاع اگلے لوگوں کے زمانے میں مکروہ تھے لیکن آخر زمانے میں وہی مستحسانات میں داخل ہو گئے۔

(شرح سفر السعاده صفحہ ۲۷۲)

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ بناء علی القبور کی مانعت بھی نہیں تشدیدِ ساجد کی طرح غیر تعبدی ہے۔ اور مصالح وقت اور نیتوں پر مبنی ہے چنانچہ غنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن تبصیر القبور والکتاب فیہا والبناء علیہا والمجلوس علیہا کے متعلق حاکم محدث نے متدرک میں صاف صاف یوں کہا کہ : "ہذا الاسانید صحیحۃ ولیدل العمل علیہا" یعنی اس حدیث کی اسانید تو صحیح ہیں لیکن لوگوں کا اس پر عمل نہیں۔ پھر اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں فان ائمتہ المسلمین من الشرق الى الغرب مکتوب علی قبورہ وهو عمل اخذ بہ الخلف عن السلف یعنی اس حدیث پر عمل نہ ہونے کی صریح دلیل یہ ہے کہ شرق سے غرب تک ائمہ مسلمین کی قبروں پر کتبے موجود ہیں اور یہ وہ عمل ہے جسے پھیلون نے اگھون سے لیا ہے

یعنی یہ کوئی نیا ایجاد و اختراع نہیں بلکہ اسلاف بھی اس پر عامل تھے۔
 مستدرک جلد ۱ صفحہ ۳۷ دایرة المعارف۔

(۳) شیخ محدث دہلوی جو حدیث و فقہ دونوں کے مبصر ہیں ایک
 معقول تمہید کے بعد فرماتے ہیں "در آخر زمان بہت اقتصار نظر
 عوام پر ظاہر مصلحت در تعمیر و تزیین مشاہد و مقابر مشائخ و عظام دیدہ
 چیز را افزونند تا از انجا بہت دشوکت اہل اسلام و از باب صلاح
 پیدا آید" شرح سفر السعاده ص ۲۷۲ سبحان اللہ شوکت اہل اسلام
 و دہد بہ بزرگان دین بذریعہ تعمیر مقابر و مشاہد کو کس خوبی سے
 بیان فرمایا ہے۔

(۵) اسی اصول مصلح کو مد نظر رکھ کر ملا محمد طاہر بیہقی ضامن جمع اہل
 و متنفذ جیسے مشہور محدث صاف صاف کہتے ہیں کہ "وقد ارجح السلف
 ان یبنی علی قبور المشائخ والعلماء والمشاہد لیزورہم لئلا یسیر
 و یسترحیوا بالجلوس فیہا" یعنی اسلاف نے مشائخ و علماء و مشاہد
 کی قبروں پر عمارتیں بنوائی جانی جائز کی ہے تاکہ لوگ انکی زیارت
 کریں۔ اور وہاں بیٹھ کر راحت قلبی حاصل کریں۔

(۶) اور اسی قاعدہ مصلح کی بنا پر فقہ حنفی کی مشہور کتاب
 تزییر الابصار اور اسکی شرح در مختار میں جواز بنا علی القبر پر فتویٰ

وایگیا صفحہ ۲۹۰-۱ ولا یرفع علیہ بناء وقیل لایاس بہ وهو المختار
یعنی قبر پر بنا رنہ کی جائے اور کہا جاتا ہے کہ کچھ مضا لکھ نہیں
اور یہی مختار (منقہ بہ) ہے۔

(۷) صاحب جامع الفتاویٰ اور صاحب احکام نے فرمایا ہے
(لا یکرہ البناء اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والمساکین)
یعنی اگر صاحب قبر مشائخ یا علماء یا سادات سے ہو تو اس پر عمارت کا
بنوانا ممنوع نہیں۔

(۸) فتح المعین علی شرح ملاسکین کے حاشیہ میں بھی
اسکو نقل کیا ہے جلد اول ص ۳۶۲۔

(۹) فتاویٰ مجمع البرکات میں جو زمانہ عالمگیر میں تالیف
کی گئی یوں کہا گیا ہے کہ ۱۰ واما البناء فلا یاس بہ عند البعض
یعنی بنا علی القبر میں بعضوں کے نزدیک کچھ ہرج نہیں۔

(۱۰) کشف الغطاء ص ۴۲ میں مطالب المؤمنین سے منقول ہے
کہ مباح کہ وہ اندسلف بنا را بر قبور مشائخ و علماء مشہورین تا مردم
زیارت کنند و استراحت نمایند بجلوس در آن و اگر برائے زینت
کنند کہ وہ است ۴

اسکے بعد انصاف کی بات یہ ہے کہ بنا علی القبر کے مسئلہ کو

اگر جائز نہ کہا جائے تو غایت سے غایت مختلف فیہ کہا جاسکتا ہے
 حرام کہنا دراصل اتنے فقہاء و محدثین سے جنگ کرنا ہے جو لوگ اسے
 مکروہ تحریمی یا تنزیہی بتاتے وہ اسکی علت زینت و تفاخر کو قرار
 دیتے ہیں۔ جیسا کہ شرنبلالی۔ شامی، و طحاوی وغیرہم نے
 اسکی تشریح کی ہے۔ اور جو لوگ اس کے استحباب و جواز کے قائل
 ہیں وہ اسکی علت سہولت تائید و قراءۃ قرآن اور اہبت و شوکت اسلام
 بتاتے ہیں۔ اور میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ اسلیے کہ ہر آئے دن
 اسکا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ خواجہ اجیری کے
 روضے کے پاس غیر مسلم بھی آکر اپنا جوتا یا ہیٹ اتار لیتے ہیں۔ یہ
 شوکت بزرگان دین اور اہبت اسلام نہیں تو کیا ہے میرا دعویٰ ہے
 اگر مساجد کی شان و شوکت سے اسلام اور اہل اسلام کی شان و شوکت
 ہے تو یقیناً اسطرح مقابر و مشاہد کی ابندی و آراستگی سے بھی اسلام
 اور اہل اسلام کی اہبت و رفعت ہوتی ہے۔ بہر حال زیادہ سے زیادہ
 اس مسئلہ کو مختلف کہا جاسکتا۔ پھر کیا یہ مسئلہ مسلم نہیں کہ جو مسئلہ
 فقہاء میں مختلف فیہ ہوا سپر کریم ذکر ناچاہیے؟ اگر ہو تو شیخ نجدی کا
 زیادہ سے متبعین ہندوستانی مولویوں کا ہم مقابر پر فتویٰ لگانا
 فقہی اور بربریت و وحشت ہے یا نہیں۔ دراصل یہ وہی جلی بربریت

ہے جسکی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد یوں کیلئے باوجود
اصرار دعائے خیر و برکت نہ کی۔ اور فرمایا کہ ھٰمُنا الزَّالٰی وَالْفٰتِنَ بَخَّارِ
جہان اور دلیلیں عدم جواز بنا کی بیان کی گئیں اور اٹکا کافی
جواب دیا گیا۔ ان عمارت قبر کے حرام ہونے پر ایک ناقابل قبول
دلیل اور بھی پیش کرتے ہیں یعنی یہ کہ قرون اولیٰ میں قبرین "لاطیہ"
یعنی زمین کے برابر ہوتی تھیں۔ اور بزرگان دین کی قبرین عمارات
و قبب و مشاہد سے بالکل خالی تھیں۔ اور اسکی ابتداء (یا ابتداء)
پانچویں صدی سے ہوئی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ یہ کل دعویٰ تاریخ
و سیر کی کتابوں پر خاک ڈالتا ہے اسلئے کہ۔

(۱) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی تعمیر صحابہ و
تابعین کے زمانہ میں ہوئی جیسا کہ صحیح بخاری اور اسکے شروح اسیر
شامہ و الہین۔

(۲) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک فتنہ خوارج
کے باعث چھپادی گئی تھی۔ لیکن ہارون الرشید نے جبکہ وہ غری
یعنی نجف اشرف کی طرف شکار کھیلنے جا رہا تھا۔ ایک مقام پر ایک
تاجر پایا جسپر لکھا تھا۔ "ھذا قبر علی بن ابی طالب" چنانچہ ہارون نے
اسی مقام پر بطور یادگار ایک عمارت بنوائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ امام شافعی

موجود تھے۔ امام محمد و امام ابو یوسف کا محکمہ احتساب پر کافی اقتدار و اختیار تھا۔ لیکن کسی نے بھی اس عمارت کے توڑنے کا فتویٰ نہ دیا۔

یہ وہی مشہور قضوئی ہے جسے پھر از سر نو عضد الدولہ دیلی نے تعمیر کیا تاریخ ابن خلکان میں ہے: "و بنی علیہ المشہد المذی ہناک و غرم علیہ شیئا کثیرا" خوب واضح رہے کہ عضد الدولہ کا انتقال ۳۲۳ھ میں ہوا ہے اور ہارون کا زمانہ دوسری صدی کا ہے پھر پانچویں صدی کا دعویٰ کس قدر غلط اور تائید بخشی چک ہے۔"

(۳) علی ہذا القیاس مظلوم شہید کہ بلا کی قبر بھی قرن اول ہی میں فی الجملہ بلند تھی۔ زمین کے برابر نہ تھی۔ تو ابین۔ جنکے سردار حضرت سلیمان بن صر و خزامی (صحابی رسول) تھے جب معافی قصور کیلئے اس قبر منور پر گئے تو اس سے لیٹ لیٹ کر گرے یہ دیکھا اور ماتم کیا۔ اس ہجوم و مجمع کی تشریح طبری اور ابن اثیر نے یوں کی ہے۔

"فازحمہ الناس علیہ (علیٰ قبرا للحسین) اکثر من ازدحام علی الحجر الاسود" یعنی لوگوں کا اس قبر پر ازدحام اس سے زیادہ تھا جو حجر اسود کے چومنے کے وقت ہوتا ہے واضح رہے کہ یہ واقعہ ۶۶ھ کا ہے۔ ائمہ دین کے مشاہد و مقابر پر نیاز مند فی القلنی

مسلمانوں کا قدیم شیوہ تھا ولو کرہ الشیخ النجدی واتباعہ۔
 پھر اس شہد مقدس اور اسکے گرد و نواح تعمیر عمارات ہوئی کتاب
 اخبار الاوائل میں ہے کہ شہد حسینی پر سب سے پہلی عمارت ابراہیم
 بن مالک اشتر نے بنوائی۔ پھر جب اربین کا ہجوم ہونے لگا تو متوکل خبیث نے
 ان تمام عمارات کو گر وادیا۔ اور خاص قبر مطہر کو بھی کھد وادیا۔ انا
 للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی کو جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء
 میں فرماتے ہیں: ”وفی سنة ست وثلثین (۶۶۲) امر بہدم
 قبر الحسين وهدم ما حولہ من الدوران“

مکن ہے متوکل خبیث کے اس فعل کو مستحسن اور قابل
 صد آفرین قرار دیا جائے۔ لیکن اس حادثہ جانکاہ سے عامہ
 مسلمین پر کیا اثر ہوا۔ اسے جلال الدین ہی کی زبان سے سنئے۔
 فتا لم المسلمون من ذلک وکتب اهل بغداد شتمہ علی
 الحیطان والمساجد۔

تا الله ان كانت امية قدانت	قتل بن بنت نبیہما ظلوما
فلقد اتاه بنو ابیہ بمثلہ	هذا العمی قبرہ مہدم
اسفوا علی ان لا یكونوا شاکرا	فی قتله فتبعوہ ہمیما

یعنی تمام مسلمان متوکل خبیث کے اس فعل پر سے نہایت متاثر

و دردمند ہوئے اور اہل بغداد نے اس شقی و بد بخت کی ہجو دیاروں
اور مساجد پر لکھ دیں۔

صاحبو! اگر قبور مشرفہ کا انہدام اور اسکا لمبا میٹ کرنا اور
عمارات کو گرادیانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہے تو
مسلمانان بغداد کا رنج و غصہ کیا معنی رکھتا ہے۔ محدثین کا اس
واقعہ کو بیان کرنے کے بعد یہ کہنا کہ متوکل الہدیت سے منحرف
اور ناصبی طریقہ پر تھا۔ کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ آل طاہرین
کے مزارات کا انہدام اور ان کی عمارتوں کا مسمار کرنا دشمنان
آل رسول و نوصب کا کام ہے؟

(۴) حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا سلام اللہ علیہما کی
شہادت ۲۲۰ھ میں ہوئی۔ اور اسی زمانہ سے آپ کی قبر مبارک
مستانہ و بلند پایہ رہی ہے۔ تیسری صدی میں اس پر عالیشان
عمارتن قائم ہو گئیں۔

اکابر میثین اس آستانہ پر حاضر ہو کر دعائے صحت بباران
کیا کرتے اور فائز المرام ہوتے۔ جیسا کہ کتاب الثقات ابن
حبان اور تہذیب التہذیب حافظ بن حجر میں ہر ایک مستقل سالہ سماع
موتیٰ میں وہ عمارتیں نقل کر دی گئی ہیں۔ بین الدولہ غازی محمود

غزنوی نے جو تھی صدی میں اس مشہد مبارک کو پھر از سر نو درست کیا۔ تاریخ کامل جلد ۹ ص ۱۳۹ ذکر محمود غزنوی میں ہے "و وجد عمادۃ المشہد بطوس الذی فیہ قبر علی بن موسی الرضا والوشید" یعنی محمود غزنوی نے عمارت مشہد مبارک کو حسین امام الرضا اور ہارون الرشید کی قبرین میں از سر نو بنوایا۔

سبحان اللہ ہمارے غازی ممدوح کے یہ کارنامے ہیں کہ مشہد امام رضا کی تجدید کی اور ابوالوفامولانا ثناء اللہ صاحب کے غازی ناموسود کے یہ کارنامے کہ قبہ خاندان رسالت کو سہار کرتے ہیں۔ لہذا انصاف یہ ہے کہ غازی محمود رحمت الہی کا مستحق ہے اور غازی ناموسود جس شے کے مستحق ہیں اسے صحیح مسلم کی نص صحیح بتا رہی ہے کہ: "من اخاف اهل المدينة اخافہ اللہ علیہ لعنة اللہ والملئكة والناس اجمعین" یعنی جو اہل مدینہ کو ڈرائے خدا اُس کو ڈرائے اور اس پر خدا اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہو۔

(۵) اور سنئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے اور اسی زمانے سے اُنکی قبر نمایان اور زیارت گاہ عالم تھی بقول خطیب بغدادی امام شافعی بیس دن تک اس قبر کے پاس

معتقد رہے ہیں اور دیگر علمائے کرام اپنی مراد میں لیکر وہاں آتے تھے۔ اور آپ کے توسل سے دعا کرتے اور فیضیاب ہوتے۔
 عقود الجحان فی مناقب النعمان دیکھ جاؤ اور پڑھو "لم یزل
 العلماء ذوی الحاجات یزورون قبر الامام ابی حنیفہ
 ۷ ویتوسلون الی اللہ عندہ فی قضاء حوائجہم ویرون فی ذلک
 منہم الامام الشافعی ۸"

سبحان اللہ ایک یہ علمائے کرام خفیہ و شافعیہ تھے کہ قبور و
 صاحبان قبور کی اس طرح عظمت کرتے تھے۔ اور ایک انسان نے
 کے بعضے ناخلف علماء میں جو اپنے آپ کو خفی کہتے ہیں اور شد
 حال الی قبور الانبیاء والا ولیاء کو حرام بتاتے ہیں۔ اور بزرگان میں
 کے مزار پر جا کر انکے توسل سے مراد مانگنے کو کفر و شرک کہتے ہیں۔
 کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذباً - ع۔

بین تفادت رواز کجاست تا بجا

در اصل ایسے لوگ امام ابو حنیفہ کے مقلد نہیں بلکہ ارباب تجسیم ابن تیمیہ
 وابن قیم وغیرہما کے مقلد جاہد ہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا
 انی منقلب ینقلبون -

پھر ۶۶۶ھ میں اس مزار پر عالیشان عمارت بنائی گئی جیسا کہ

ابن خلکان وغیرہ نے لکھا ہے :- وہاں بنا عا المشہد والمقبۃ فی
 ۳۶۹ھ اور جب یہ عمارت طیار ہو گئی تو اس کے اقتراح میں اکابر
 علما و رقضاۃ و امراء شریک ہوئے ۔ اور کسی نے اسے حرام یا
 ناجائز نہیں کہا ۔ دیکھو عقود الجمان ۔

”و بنی شرف الملک ابوسعید المستوفی الخوازمی رحمہ اللہ
 بعد ذلک بمدۃ طویلۃ قبۃ عظیمۃ علی قبلا امام الجنیفۃ
 و بنی الی جانبہا مدسۃ فلما تکامل بناءها جاء شرف الملک
 والقضاۃ والامراء والاعیان“

ان نمبر کے شروع میں جہان حضرت امام شافعیؒ کے مکت
 علی قبر الی جنیف کا ذکر ہے وہاں ایک اور بہت ہی لطیف بات لکھنا
 بھول گیا ۔ وہ یہ کہ امام شافعیؒ جب تک قبر امام عظیمؒ کے پاس قیام
 پذیر رہے اتنی تعظیم و ادب کے ساتھ رہے اور قبر و صاحب قبر کا اتنا
 احترام و لحاظ فرماتے رہے کہ ہر روز نماز صبح کی دوسری رکعت میں
 دعاء قنوت پڑھنا چھوڑ دیتے ۔ حالانکہ امام مذکور قنوت کو وجہ سمجھتے
 تھے ۔ لیکن فرماتے کہ ادب یہی تعلیم دیتا ہے کہ اس امامؒ کے سامنے میں
 قنوت پڑھنا ترک کر دوں ۔ کیونکہ اس جلیل القدر امام کی تحقیق میری
 تحقیق سے مختلف ہے ۔ ملاحظہ ہو رد المحتار اور عقود الجمان کی عیادت

قال العلامة الزاهد ولي الله تعالى الشيخ شهاب الدين ^{نشاطی} الاشعري
 نزول المدينة الشرفية في بعض مصنفات الامام الشافعي رضي
 الله عنه صلى الصبح بمقام الامام ابي حنيفة رضي الله عنه
 فلم يقين فليل له في ذلك فقال تأدباً مع صاحب القبر
 كتاب الامام کی روایت پیش کرنے والے حضرات کو اس قدر پر
 غور کرنا چاہیے کہ امام شافعیؒ امام اعظمؒ کو گویا قبر کے اندر بھی
 زندہ تصور کرتے تھے۔ جب ہی تو زندوں کی طرح تعظیم و احترام
 کرتے تھے تو تعظیم قبر صاحب قبر کے سوا امام شافعیؒ کا یہ فعل اسے
 بھی بخوبی ثابت کرتا ہے کہ قبر بزرگان دین کے پاس نمازین پڑھنا
 بلاشبہ جائز ہے اور ہرگز حرام نہیں۔ غور سے دیکھو تو یہ خود حضرت
 امام شافعیؒ کا اجتہاد و کردہ فعل نہ تھا۔ بلکہ ام المومنین حضرت عائشہ
 رضی اللہ عنہا کا اتباع تھا۔ (توسل و استمداد کے سلسلہ میں یہ
 روایت گزر چکی ہے)۔

شجرۃ الرضوان

یہ وہ مبارک درخت تھا جس کے نیچے بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ مسلمانوں سے جانبازی کی بیعت لی تھی اور اس بیعت کی ادا اللہ تعالیٰ جل شانہ کو ایسی پسند آئی کہ ارشاد ہوا۔
رضی اللہ عن الموضین اذ یبایعونا

تحت الشجرۃ

اور اسی رضائے الہی کے وجہ سے اس کیکر کے درخت کا نام شجرۃ الرضوان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۶ کا تھا۔

یہ درخت کتنا بڑا ہو گیا

اسکی تحقیق یوں ہے کہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۱ کتب بعد کتاب الشجرۃ الباری ہے اس میں اسناد صحیحہ حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ واقعہ بیعت کے بعد دو سو تیرہ سال پہلو گزرتے ہیں کسی نے اس درخت کو نیا یا اور ہم

روایا گیا۔

دیکھو صحیح بخاری جلد اول صفحہ (۴۱۵)

یعنی نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے	دنا موسیٰ بن اسمعیل ثنا
فرمایا کہ آئندہ سال اس واقعہ بیت کی	روایت عن نافع قال قال ابن
ہلوگ اس مقام (حدیبیہ) پر پہنچے	عمر رجعا من العام المقبل فما
تو وہ آدمی بھی اس درخت کی شناخت نہ	جمع منا اثنان علی الشجرۃ التي
متفق نہ ہو سکے وہ ایک حجت تھا۔	یعنا حتما كانت رحمة۔

اور دیکھو جلد ۲ صفحہ (۵۹۹)

یعنی حضرت مسیب بن خزن صحابی فرماتے	ال سعید بن المسیب عن
ہیں کہ آئندہ سال جب ہلوگ اس مقام پر پہنچے	ماریہ فلما خرجنا من العام
تو رکے سب اس درخت کو بھول گئے کیونکہ بھی	قبل نسيناها فلم
اسکے بتانے پر قدرت نہیں رہی۔	لجها۔

یہ روایت طارق بن عبدالرحمن عن سعید بن المسیب ہی اور

بکری روایت شعبہ عن قتادہ عن سعید بن المسیب یون ہی۔

یعنی حضرت مسیب بن خزن فرماتے ہیں کہ میں اس	ال قدر ایت الشجرۃ
درخت کو دیکھا پھر بعد کو جب باتوا سکونیا محمود بن	لکنا بعد فلم اعرفها
غیلا کہتے ہیں کہ پھر وہ درخت بھولادیا گیا مجھے	محمود ثم انسيناها بعد

تھوڑے دنوں بعد لوگوں نے اس مقام پر مسجد بنالی اور وہاں نماز پڑھنے لگے حضرت سعید بن المسیب کو خجبر پہنچی تو آپ نے فرمایا۔

ان اصحاب محمد صلعم | یعنی اصحاب رسول اللہ صلعم نے تو اس
لہر یعلموها و علمتموها | درخت کو جانا ہی نہیں اور تم نے جان لیا
انتم فانتم اعلم۔ | تو انہی زیادہ علم والے تھے بن ہوئے۔

اب ان روایتوں پر غور کرنا چاہیے کہ عدم عرفان شجرہ اور اسکو بھول جانا اور نظروں سے گم ہو جانا یہ فقط علیہ شد بن عمرو و مسیب بن حزن کیلئے خاص تھا یا عموماً اصحابہ کرام کی نظروں سے وہ درخت گم ہو گیا تھا الفاظ حدیث علیہ شد بن عمرو و صیغہ جمع کا استعمال عموم کو بتاتا ہے اور سعید بن المسیب کی تصریح اصحاب محمد سے عیان ہے کہ یہ جمع مضاف بقاعدہ معانی و صیغہ مفید استغراق ہے۔

پس حاصل ان روایتوں کا یہ ہوا کہ عموماً اصحاب رسول اللہ صلعم علیہ السلام کی نظروں سے یہ درخت علی سبیل التعین غائب ہو گیا۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

لو كنت البصر اليوم لاسيتكم | اگر مجھے بنیائی ہوتی تو میں اس درخت
مکان الشجرة۔ | کی جگہ کو بتا دیتا۔

حضرت جابر انصاری نے عمر زیادہ پائی تھی اور اس نے عمر میں
انکی بصارت جاتی رہی تھی اور ۸۷ء میں حلت فرمائی۔

اس روایت سے حافظ ابن حجر کو یہ شبہ ہو گیا کہ یہ درخت عموماً
نظرون سے گم نہ ہو گیا تھا بلکہ حضرت جابر اسکو پہچانتے تھے۔ مگر
محض احتمال رکھا ہے۔ اسلئے کہ حضرت جابر نے مکان الشجرة
فرایہ بعینہ الشجرة فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ اصل درخت کی شناخت اور
اور جس جگہ وہ درخت تھا اسکی پہچان اور ہے۔

پس حضرت مسیب علیہ السلام بن عمر اور حضرت جابر کی روایتوں
میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہو کہ اگر تعارض ہوتا بھی تو حضرت
علیہ السلام بن عمر کی روایت کو بہر صورت ترجیح و تقدیم ہوتی۔ اسلئے کہ آنار
رسول صلعم کو وہ بہت جویان تھے اور ان مقامات کی حضور صلی سے وہ
برکت حاصل کرتے تھے۔ عامہ کتب رجال شروح موطا میں ہے۔

وعن نافع انه كان يتبع آثار	یعنی نافع کہتے ہیں کہ علیہ السلام بن عمر حضرت
النبي صلعم حتى انه صلعم	کے آثار کے جویان رہتے تھے یہاں تک کہ
نزل تحت الشجرة فكان	حضور اگر کسی درخت کے نیچے ٹھہرتے
عبد الله يتعاقد تلك الشجرة	تھے تو علیہ السلام بن عمر اسے بھی یاد کر کے دعا جانتے

عموماً اس درخت کا بعینہ استعارہ و خفا جیسا کہ عبارت النص
میں نے بیان کیا ہے اسی طرح کربانی نے کو اکب الدرداری مین اور عینی محدث
نے عمدة القاری مین اور ملا نورالحی نے تیسیر القاری مین ذکر کیا ہے۔
وکیو عمدة القاری جلد ۸ صفحہ (۲۸۴)

قوله فعمیت علینا مستند	یعنی وہ درخت چھپ گیا اور
وخصیت وکان سبب خفا لہما ان	مخفی ہو گیا تاکہ لوگ فتنہ مین
لا یفتن الناس الخ	نہ ٹپین۔

اور حضرت شیخ نورالحی حدیث جابرؓ کی شرح مین فرماتے ہیں۔
ظاہر می شود کہ ہر را وقت آن درخت نما ندہ بود۔
یعنی مقام الشجرہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت اصل
درخت باقی نہ تھا۔

اور مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ نے بھی فتاویٰ مین ایسا ہی
فرمایا اور حافظ ابن حجر کی اس رکیک توجہ پر نہایت ہی تعجب فرمایا۔

کیا شجرہ ضوان کو بیت عمرؓ کے ٹکڑا دیا

یہ ایک بالکل بے سرو پا فسانہ ہے۔ اولاً اسلئے کہ یہ بخاری کی روایت
صحیح کی خلاف ہے اس سے تو اسکا اخفا و استتار ثابت ہو جیسا کہ

پہلے محقق ہو چکا پھر قطع و برید کو کیا معنی ہوں گے۔

ثانیاً اگر حضرت جابر کے قول کے وہ معنی لین جو حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اُمّی آخر عمر نابینا لی تاک وہ درخت بعینہ باقی تھا یعنی مسکے کہ لگ بھگ تک جب بھی قطع و برید محال ہے اسلئے کہ حضرت عمرؓ کا انتقال ۲۳^{شہ} میں ہے۔

ثالثاً جس نے اس حکایت کو پیش کیا ہے وہ طبقات ابن سعد سے پیش کیا ہے۔ اور طبقات ابن سعد میں چند طریق سے حضرت سعید بن المسیب کی روایت کو درج کر کے آخر باب میں اس قطع و برید کے فساد کو نقل کیا ہے۔ دیکھو طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۷۲ (۷۲)

ابن عیسیٰ نافع نے کہا کہ لوگوں نے	ابن عیسیٰ نافع بن عطاء بن عبد اللہ
شجرۃ الرضوان کے پاس اگر نماز	بن عون عن نافع قال کان الناس یأتون
پڑھنی شروع کی حضرت عمرؓ کو جب معلوم	الشجرۃ التي یقال لها شجرۃ الرضوان
ہوا۔ تو پہلے انکو ڈرایا۔ پھر انکے	فیصلون عندھا قال فیبلغ ذلک عمر بن
حکم سے وہ درخت کاٹ دیا گیا۔	الخطاب فادعہم فیھا وادعہا فقطعت
یہ اثر بقاعدہ محدثین منقطع ہے جو قابل اعتناء و ستناد نہیں	
ہوتا۔ انقطاع اسوجت ہے کہ نافع نے حضرت کا زمانہ نہیں پایا۔ انہ	
لقانہ انہ روایت ہے تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ نافع حضرت	

عبداللہ بن عمرؓ کے غلام ہیں حضرت موصوف نے انکو غزوہ دہلیم یا کابل یا طالقان
میں پایا تھا اور یہ غزوہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کے بہت بعد ہوئی نافع نے عمرؓ سے اپنی
۲۰ ہجری میں انکی وفات ہو تین برس یہ اپنے مولا کے خدمت گزار رہے
اور مولا موصوف نے ۴۷ میں جلالت کی (تذکرۃ الحفاظ) جلد اول صفحہ
یہ اپنے مولا حضرت عبداللہ بن عمرؓ ابو ہریرہؓ ابوالباہرہؓ رافع بن خدیجؓ
وعائشہؓ دام سلمہؓ وابوسعید خدریؓ وغیرہم صحابہ سے روایت کرتے ہیں
حضرت عمرؓ کا زمانہ ہی نہیں پایا پھر لے روایت بلا واسطہ کیا معنی -
دیکھو تاریخ صغیر بخاری وطبقات ابن سعد و تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ
و تقریب وعائشہ رجال و تاریخ بن خلکان وغیرہ۔

موطا امام مالک میں شروع باب کی چند حدیثوں کے بعد یہ روایت
صالح عن نافع ان عمر بن الخطاب کتب الخ

شرح موطا دارن پر لکھتے ہیں ان الحدیث منقطع فان
نافعاً لم یدرک عمر - یعنی یہ حدیث منقطع ہے اسلئے کہ نافع نے
حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ دیکھو شرح موطا شیخ سلام اللہ تعالیٰ اور دیکھو
شرح زرقانی جلد اول مطبوعہ مصر

جب اس روایت کی حقیقت معلوم ہو گئی اور اسکا بے سود پایا
ہونا ثابت ہو گیا تو پاسداران نجد یہ کی دیانت کا حال بھی آشکارا ہو گیا

کہ یہ حضرات درحقیقت اہل حدیث نہیں۔ یہ لوگ اپنے عقیدہ فخر کے
 ثابت کرنے کے لئے رطب وایس کی بھی تمیز نہیں کرتے۔ ایک طرف تو
 یہ دعویٰ کہ آثار صحابہ حجت نہیں اور اسکو مذہب الہدایت قرار دیا جاتا ہے
 اور دوسری طرف آثار رسول کے مٹانے کیلئے بے سرو پا اثر صحابی سے
 استدلال کیا جاتا ہے۔ ہلوگ تو سل واسطہ کے مسئلہ میں اگر غیر صحاح
 ستہ کی کوئی حدیث حسن و صحیح بھی پیش کرتے ہیں تو میزان الاعتدال ذہبی
 اور تقریب ابن حجر کی درق گردانی کیجاتی ہے اور جرح مبہم بھی جائز قرار دیا
 وہ حدیث موضوع یا ضعیف بتلائی جاتی ہے۔ مگر آثار نبویہ اور تبرک کے
 ابطال کیلئے یہ ابن سعد کا اثر ضعیف و مقطوع قطعی الدلالة والاثبت
 بنایا جاتا ہے۔ نافع سے یہ اثر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ صحیح بخاری میں
 نافع اس کے خلاف اپنے مولا عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں بخاری
 کے رواۃ موسیٰ بن اسمعیل و جویریہ عامرہ ارباب جرح و تعدیل کے نزدیک
 ثبت ثقہ ہیں اور ابن سعد کی اس روایت میں عبد الوہاب بن عطاء ہیں
 جنکو بخاری فرماتے ہیں ایس بقوی اور تہذیب الہندیہ میں ہے
 عبد الوہاب ایس عندہم بقوی جلد ۲ صفحہ ۵۵ اور تقریب الہندیہ
 میں حافظ ابن حجر نے فرمایا۔ صدوق رہا اخطا۔ یعنی عبد الوہاب صدوق
 تو ہیں لیکن اکثر غلطی کرتے ہیں۔ صفحہ ۲۳۱۔

یہی وجوہات ہیں کہ امام بخاری نے اُسے کوئی روایت نہ کی۔ اور نہ مسلم نے
ادھر توجہ کی۔

اب سمجھ لینا چاہیے کہ کجا امام محمد بخاری اور کجا کاتب قدسی نہیا۔

ملاحظہ و حمال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وسیع الخیال و حکیم امت کی سب سے خیالی ثابت
کرنے کیلئے اس قسم کی باتیں اس جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ آثار
قدیمہ و مہتم بالشان یادگار و نمونہ مٹاتے تھے کتبخانہ اسکندر یہ جلا کر خاک سیاہ کیا
اور شبرک آنا رسول کو کاٹ چھانٹ کر مٹا دیا۔ ذلک جہان عظیمہ
اور بہتر سے اہل علم ارباب تعصب بھی اس فریب کے جال میں پھنس گئے اگر وہ
روایت سے کام لیتے تو اس شکنجہ سے نکل جاتی۔ خدا تعالیٰ برائے
محمد بن عبد الوہاب امام فرقہ نجدیہ بھی اسی سببی کے جال میں پڑے ہیں۔
جب انکو مسلمانوں نے کتبخانہ جلائیکہ الزام دیا تو اپنی برادرت یوں کرتے ہیں
کہ میں سب کتاب نہیں جلاتا۔ بلکہ انھیں کتابوں کو تلف کرتا ہوں کہ جبکہ
پڑھنے سے لوگوں میں شرک پھیلتا ہے مثل روض المرآین اور علم منطق کی
کتابیں برادر کرتا ہوں کہ کتبخانہ علمائے فرنگی محل کہ اس سے عقاید میں
خلل واقع ہوتا ہے۔ دیکھو مجموعۃ الرسائل تحفہ سینۃ نجدی حال کار سالہ

اللہ محمد بن عبد اللہ باب صفحہ -

اللہ اللہ یہ کتاب روض الراہین حضرت امام عبد اللہ شہرانی کی
تالیف ہے جو اسلامی دنیا کے بڑے مورخ و محدث صوفی شہور فاق بین انکی
کتاب مرآۃ الجنان بمثل کتاب شمار کیجاتی ہے اور حضرت موصوف کے مداح
حافظ ابن حجر و بخاری و عامہ محدثین میں روض الراہین کا تذکرہ کشف الظنون
وغیرہ میں موجود ہے۔ ایسی مقدس کتاب کو شرک بھیلانے والی کتاب کہنا
بجز جہالت و دریدہ دہنی کے اور کیا ہے۔

اور علم منطق کو محض اسلام بتانا یہ بھی بخبری جہالت ہے۔ ان کے
مورث اعلیٰ ابن تیمیہ نے تو ایک کتاب رد المنطق بھی لکھی تھی۔ جہاں کہ
طفلان ہے اور اہل علم نے اصرار تو مجھے نہ کی۔ جب اس سے کام نہ چلا تو
انکے مقلدین نے اسے جلانے اور برباد کر نیک حکم دیا۔
فاعتبرو دیا اولی الا بصکم۔

اب اس تمدنی دنیا اور عالم تعلیم میں ایسی دشمنان علم و تہذیب کی
حکومت کو کوئی عاقل پسند کر سکتا ہو۔ لا واللہ

تعصب و عناد

کا خدا برا کرے۔ آثار قدیمہ، حفاظت کا مسئلہ اس زمانہ میں مسلم الثبوت

ہو گیا ہے۔ اور امور ان ملک و ملت کا اسٹیج نصب کیا جاتا ہے۔ اور اسکے نصب کرنے میں مسلمان لیڈران بھی فراخ دلی سے شرکت کرتے ہیں۔ اور تصویر کے جواز پر رسالہ لکھا جاتا ہے۔ مگر ذریاتِ نجد یہ جب آثارِ انبیاء و سلف صالحین کو سمار و برباد کرتے ہیں تو اس کو سنت فاروقی و مشرب شافعی و مسلک ضلی بنا کر۔ اس فعل کو مستحسن اور اسکے مرتکب کو بت شکن اور غازی کا لقب دیا جاتا ہے۔

بین تفاوتِ اہل کیاست کیا

طرفہ یہ ہے کہ چودھویں صدی کے مؤرخین محمود کی بت شکنی کی تاویل کرتے ہیں اور مندر دین اور گرجاؤں کے توڑ پھوڑ کو ناروا قرار دیتے ہیں۔ مگر آثارِ رسول اور سلف صالحین کے مقابر و مشاہد و قباب و مساجد کے سمار کرنے کو اہم فرائضِ اسلامی کہتے ہیں۔ فیا اللہ من ینصفنا۔

خیر یہ جو کچھ چاہیں

اکرمین اور کہیں گرجا دار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دامن عدل پر دھبہ نہ لگائیں۔

حاشا وکلا اس جناب کے کبھی آثارِ رسول کو نہ مٹایا اور نہ شجرۃ الرضوان کو

حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار کے ایسے قدردان تھے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کعبہ میں رمل کیا تھا تاکہ مشرکین قوت
اسلامی کو دیکھ لیں اور مسلمانوں کو ضعیف و کمزور نہ سمجھیں پھر حضرت اپنے
زمانہ خلافت میں فرماتے ہیں کہ اتنا اسکی ضرورت ہی نہ رہی یہاں
مشرکین میں نہ مخالفتیں لیکن یہ ہمارے حضور کا فعل ہے ہم تو اسے
نہ چھوڑینگے دیکھو صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸ بے ضرورت شے کو قائم رکھنا
فقط اتنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قدردانی تھی۔

پہلے بزرگ کو شجرۃ الرضوان کا قاطع بنانا قطعی بہتان و افتراء ہے۔
اور ایسے آثار پر مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا اگر حضرت فاروق کے نزدیک
ناجائز اور موہم شرک تھا تو سب پہلے اپنے فرزند عبد اللہ کو تنبیہ کرتے جن سے
بروایات صحیحہ یہ باتیں ثابت ہیں۔

ختم شد
۱۳۴۲ھ

تقریظ حضرت قدوة العلماء، المحققین زید العزف، الکاملین
شیخ الاسلام المسلمین مع لانا قیام الدین عبد الباری
لا زالت شمعوں کی لالتہ بارغہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامداً مصلیاً وسلماً

برادر عزیز القدر واللہم اجعلہ باقر العلم کما جعلتہ جعفر الاسم نے جس
خوبی و خوش سلوپی سے توسل و استعانت اور سلع موتی فکر امانت و لیا
بعد موت ایسے مسائل مہمہ کو آسان اردو میں ظاہر کیا ہے یہ اونکا موروثی
شیوہ ہے مسائل مذکورہ تو قدیم ہیں قرآن و حدیث و اجماع امت سے
ثابت ہیں مگر دور آخر میں جبکہ جہالت مرکبہ حکو پہونج چکی ہو اس تحقیق کو
جدید بلکہ اجداد حق بالتحقیق کہنا بجا نہیں ہے جہاں اسد غا و عن المسلمین
خیر الحجراء۔ اس تصنیف کا خاص پہلو یہ ہے کہ قدام و محدثین سے ہتھکڑ
ایکا گیا ہے اور ارباب باطن و علمائے اہل تصوف و معرفت سے ہتھکڑ لایا
اکتفا نہیں کی گئی جو فقط فقہا متاخرین کے کلام سے تقویت دی گئی ہے
اس اسلوبے مدعیان اہل حدیث کیلئے خاص ہدایت ہے اور ان کے لئے

ان کے قدام کا اسوہ دکھایا گیا ہے جسکی اتباع اذکو بھی لازم ہے ورنہ صوفیاء
 کا ذکر ہے کیا فقہاء میں محققین المحدث قدیم سے لیکے اب تک ان مسائل
 میں متفق اللفظ ہیں کبار علماء فرنگی محل اور حضرت شیخ عبدالحی محدث
 دہلوی و حضرت شاہ ولی اللہ و حضرت شاہ عبدلعزیز قدس اسرارہم کی
 تحقیقات دیکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ مسائل مفروضہ البحث ہیں کیونکہ
 استعانت و توسل صحیح کے جواز کے قائل استدراہل بقدر کے عامل سماع موتی
 کے نسبت کرامات اولیا بعد موت کے سب مقرر ہیں مولانا محمد جعفر صاحب
 قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ان اکابر کی اتباع کی اور اس دور آخر زمان
 کے مسموم اثر سے محفوظ رہے ظاہر ہے کہ حق قدام کے ہاتھ رہا اور اب جو
 جدید قول پیدا کیا جاتا ہے سوائے ضال کے اور کیا ہو سکتا ہے و ما بعد
 الحق الا الضلال مگر نوعمری اور کم علمی میں انگ ہوتی ہے کہ نئی بات پیدا کی جائے
 تاکہ بڑی عالم کہلائیں اور مشہور ہو جائیں اور بڑی بات تو لاندہ بی کی پھیل رہی ہے اصول
 اسلامیہ و ضعف عقائد و بدیہی نیز فرعی مباحث اور اصول کے انکار کا پیش خمیہ ہیں
 جنکی جھلک کہیں کہیں سے ہونے لگی ہے برادر موصوف کے گرد اگر دیرینہ صاموہی گمراہی
 توفیق اور بزرگوں کی تائید سے موصوف دور متاخرہ میں قدام کے نمونہ ہیں میں
 کمال خلاص دل سے اس تصنیف کی قبولیت کی اور موصوف کی ترقی علم درجات
 کیلئے دعائے خیر کرتا ہوں فقط (فقیر محمد عبدالباقی عفا اللہ عنہ)

واضح ہو کہ ملاحظہ کا اصلی مقصد قرآن و حدیث کے برکات کو دنیا سے کھودینا ہوا اسلئے
 وہ مختلف انواع و اقسام کے پیش آتے ہیں۔ کبھی فقہ امیہ پر حملہ کرتے ہیں کبھی تصوف و صوفیہ
 پر ہاتھ صاف کرتے ہیں اور کبھی معجزات نبویہ و کرامات اولیاء کو نفی ثابت کرنے کے لئے محدثین
 کبار پر چڑھ کر تے ہیں اور مفسرین کو فساد کو قرار دیتے ہیں اور احادیث کو بے اعتبار بتاتے ہیں۔
 اور اگلے فقہاء محدثین کے اقوال و افعال کو شرک و کفر بتاتے ہیں لہٰذا اس مقصد پر
 کامیابی کے لئے تصانیف ابن تیمیہ و ابن قیم و ابن عبد اللہ و محمد بن
 عبد الوہاب نجدی کو شایع و ذائع کرتی ہیں۔ یہ حضرات وہ ہیں کہ جن کے اقوال
 شاذہ عجیبہ پر فقہاء و محدثین بلکہ جمہور امت نے نفیرین کی ہے۔ یہ لوگ ایسی
 باتیں کہتے ہیں جس سے معاذ اللہ خداوند تعالیٰ کے لئے جسم و جہت ثابت ہو اور
 انبیاء و رسول کے آثار کی بے وقعتی ہو۔ یہ بلا سند و تسانہ ہیں نہین بلکہ اسکا بڑا
 مرکز مصر ہے۔ شاید علامہ سید رضا بھی اس قوم کے لیڈر ہیں۔ جلعینٹ کلکتہ سے
 پنجاب تک پھیلے ہوئے ہیں انکے مجلہ "النار" کو پڑھو اور دیکھو احادیث صحیحہ کو وہ بڑے سزا
 بدیتے ہیں اور بے سند و باخبروں کو نص قطعی ثابت کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق
 رضی اللہ عنہ پر بے ادبی شجرۃ الرضوان کی تہمت لگاتے ہیں سب ائمہ و علما و آئمہ
 و حدیث سے بخبری کے باعث ہیں عقاید نجدیہ کی تصحیح اور حضرت شیخ العلماء الحدیثین
 علامہ سید سلطان رحمہ اللہ پر بالاعلان سن و تہر کرتے ہیں۔ اللہم اھد قومی
 فاقہم لایعقلون۔
 خاکسار جعفر

پھلوااری کے پھول

شمس المعارف (حصہ دوم) حضرت قبلہ مدظلہ کے خطوط

مکتوبات کا مجموعہ - جلد اول - قیمت ۱۰۰

دوم
تصانیف مولانا شاہ حسن میان صاحب

تذکرہ سہرہ رویہ از مولانا حسن میان صاحب مرحوم قیمت ۱۰۰

میلاد الرسول ۱۰۰

ذکر رسول ۲۰

شہادت حسین ۲۰

سفرنامہ عراق مولانا حاجی شاہ حسین میان صاحب دیر غریب نواز قیمت ۱۸

فریاد اسلام - (یہ وہ نظم ہے جو مولانا حسین میان صاحب نے بمبئی خلافت کا نفرین میں لکھی تھی) قیمت ۱۸

امارت شرعیہ پر ایک نظر - از مولانا شاہ محمد عزیز علی پھلوااری قیمت ۱۲

شیخ عبدالقادر - از مولانا شاہ غلام حسین صاحب پھلوااری ۳۰

اسلامی مساوات - از مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب جنرل سکریٹری مسلم ایسوسی ایشن پھلوااری قیمت ۱۸

روایان فرد - قیمت ۱۰۰ تاریخ کلا حصہ دوم - رعایتی قیمت ۸۰

میں بکریاں کیل اسلام باب ڈیو پھلوااری شریف پٹنہ

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً ومصلياً وسلم

اما بعد۔ رسول بیشک حیات و ممات کے ساتھ متصف ہے مگر اس کی زندگانی اور وفات عام لوگوں کی حیات و موت کی سی نہیں ہوتی، رسول کو نفسانی زندگی کے ساتھ اعلیٰ روحانی زندگی بھی ہوتی ہے جس کے انعکاس سے وہ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے جسے خدا نے یزید کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول روحانی جذبات کو اپنے حکیمانہ روحانی خیال سے قوم کے خیال میں آتا رہتا ہے جسکو خدا نے یعلیٰہم الکتاب والحکمت سے تعبیر فرمایا ہے۔

الغرض رسول فقط زندہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک تازہ زندگانی اور روحانی حیات بھی بختا ہے وہ ایک ایسی پاک اور مہذب قوم آراستہ کرتا ہے کہ جس کی شان ہے لا خوف علیہم ولا هم یخزون۔ اور اس قوم کی روحانی زندگانی ایسی مضبوط ہوتی ہے کہ اگر کوئی ظالم ان پر ظلم کرے، کوئی شقی ان کو ہلاک و برباد کرے، راہ خدا میں ان کو قتل کر دیا جائے تو ان کو اپنے اس جسم و جان کی ہونہی میں ہوتی کیونکہ ان کی جان کوئی معمولی جان نہیں وہ اس قتل کے جانے پر در نہیں پڑ گئے بلکہ وہ عالم شہادت میں ہیں اسی لئے ان کو شہید کہا جاتا ہے اور عام مردوں کی طرح ان کو سمجھنے سے سخت مانعت کی گئی اور حکیم سادیا گیا کہ لا تقولوا لمن قتل فی سبیل اللہ اموات بل

احیاء و لکن لا تشعرون، جب رسول ایسی زندہ جاوید قوم پیدا کرتا ہے کہ
 جسکو مردہ نہیں کہا جاسکتا، پھر اس برگزیدہ رسول کو چمک رہا
 اُن (شہیدوں) سے بڑھ کر ہے، عام مردوں کی طرح کہا اور سمجھا جائے اور اسکی
 موت کو عام لوگوں کی سی موت شمار کیا جائے۔ یہ اُن بے شعور لوگوں کا کام
 ہے جسکو خدا نے لا تشعرون فرمایا ہے۔

اہل نعم و فراست اور اہل دانش و بینش ہرگز ایسا نہیں سمجھ سکتے نہ کہہ
 سکتے ہیں۔ انک صیت و انھم میتوں سے وہ عام موت مراد ہے جسے ایک جگہ
 کل نفس ذائقۃ الموت کر کے تعبیر کیا ہے۔ اور اس سے کوئی مسلمان
 انکار نہیں کرتا، لیکن حبط رسول کی زندگانی معمولی اور عام لوگوں کی سی زندگانی
 نہیں، اسی طرح اسکی موت بھی عام لوگوں کی سی موت نہیں ہو سکتی۔

(۲) رسول ابدی و دائمی طور سے ہماری اور خداوند تعالیٰ کے درمیان
 وسیلہ ہوتا ہے اسلئے وہ عام بشر کی طرح نہیں بلکہ اسکو ایک طاقت عطا فرمائی
 ہے جسکو فوق طاقت بشری کہتے ہیں اور وہی اسکا معجزہ ہے۔ وہ آسمان کی
 سیر کرتا ہے طبقات زمین کا مشاہدہ کرتا ہے کبھی عالم لاہوت میں مستغرق اور کبھی
 عالم ملکوت میں جلوہ فگن اور کبھی اپنے گھر ہی کو ایسا عالم ملکوت بنا دیتا ہے کہ
 وہاں پھر غنیمت و نعمت و لذت کے جس و آثام کی ہوا بھی گنتے نہیں
 پاتی۔ انما یؤید اللہ الذین ہب علیہم العلم الرجل ھل البیت و یطہرکم
 تطہیراً۔ اور اپنے رفقاء و انصار پر اپنی شرح صدر اپنی خداداد محبت و مروت
 اور خلقِ عظیم درجہ عظیم خلوص و تعبدی کا جب وہ انعکاس و الٹا ہے تو
 بہت جلد ایک ایسی قوم طیار ہو جاتی ہے کہ اشداء علی الکفار رحماء
 بینہم ترحمہم و کما سجدوا یتبعون فضلاً من اللہ و رضواناً علیہم

فی وجہ ہمدردی و افراسیود کی تجلی نظر آنے لگتی ہے۔

وہ رسول رحمتہ للعالمین کے لقب سے مخاطب تھا اور بالموصلین سے وقت
مرحومہ اسکی خاص شان تھی۔ اسکے مان باپ سے زیادہ ہمہ مہربان اور
ہمارے دکھ درد کا شریک اور ہمارا مونس و غما تھا ہمیں جب بھوک لگتی
اسکے آگے روئے وہ تھوڑی سی روٹیوں سے ہم سبھوں کو آمودہ کر دیتا۔ پیاس
کی جب شکایت کرتے تو سنان میدان میں چشمہ پیدا کر کے ہمکو سیراب کرتا۔
بخار آتا تو وہ دوا بتاتا۔ آنکھیں جاتی رہتیں اور اسکے آگے روئے تو وہ اپنی
تذہیر سے آنکھیں بخشتا۔ ہاتھ پیر پر جب کبھی صدمہ پہنچتا تو وہ اپنے دست
کرم کے مس سے چمکا کر دیتا۔

الغرض کبھی اسنے محروم نہ کیا جو مانگا سوچا۔

پہلے مقدمہ سے جب یہ ثابت ہے کہ ظاہری موت کے بعد کی
حیات ایک حیوۃ اعلیٰ من حیاتہ الدنیا ہے۔ تو پھر کیوں ہم انہی مصیبتوں
اسکے آگے نہ کہیں۔ اور دعا کی مدد اس سے کیوں نہ لیں۔ کیا میرا تعلق
منقطع ہو گیا کیا اب میرا وہ وسیلہ نہیں رہا۔ کیا قیامت آنیوالی نہیں اور کیا
میری وہ شفاعت و دستگیری نہ کرے گا۔ فلا تمیأ سوما روح اللہ۔

(۳) نجدی۔ ہماری اس نیا زمندی کو اس سرکار سے چھوڑنا چاہتے ہیں اور
جب ہم توسل و استغاثہ و استمداد کرتے ہیں تو ہمکو بدعتی کا فرد و شرک ممد و رالدم
بناتے ہیں جیسا کہ کتاب التوحید توضیح ہدیۃ السنیہ سے واضح ہو۔ توضیح ص ۱۳۳
اسی جرم میں ہمارے برابر ان اسلام کا طائف میں قتل عام کیا گیا۔
اور ہمارے بزرگوں کی یادگار مساجد اربعہ اور مزارات متبرکہ ڈھا دئے گئے
اور انکولات دعویٰ و منہا کہا گیا۔ دیکھو کتاب التوحید و توضیح ص ۱۳۴

اب ایسے واسطے حاطہ میں ہم آئے اپنے آقاؑ مہربان رسولؐ کو
 گویا کرتے ہیں جسکے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلے فتنہ نجد میں ہماری فزا
 کی اور ان ظالموں سے نجات دی۔

یا اکرم المخلوق مالی من الوزیہ

سَوَالُکَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

(۴) ہندوستان کے دہلیہ والہجریٹ اب بالاعلان عقاید نجدیہ کی تصویر
 اور ان کے مظالم کی توجیہ کرتے ہیں۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک مسئلہ متنا
 فیہا میں میں اپنے عقائد حقہ کی دلائل وبراہین پیش کروں اور برادران الحمد
 للہ محدثین کی روش و تحقیق تبادون۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک
 (۵) نجدیوں کو سب بڑا مغالطہ مسئلہ استمداد کی ناہمی سے ہوا ہے۔ اسلئے آج
 مسئلہ پر سے پہلے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اور ہندوستان کے الہجریٹ جو
 ساع موتی کے بھی مناکہ بن اسلئے مختصر بحث اس سے بھی کی گئی ہے۔

واللہ نعم المولیٰ ونعم النصیر